اسلام میں عورت کی دیت

Islam Me Aurat Ki Diyyat

By
Allama Maulana Peer e Tareeqat Hazrat Mufti Ashshah Sayyed Sa'eed Ahmad Kazmi Alaihirrahema

دِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ

عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ھے (حدیث نبوی)

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند ✿ سعدیؔ از دستِ خویشتن فریاد

اسلام اور قرآن کا نام لے کر اسلام کے طے شدہ مسائل کو ایسے نازک دور میں چیلنج کیا جا رہا ہے جب کہ اسلامی نظام کے نفاذ کا موقع ہے۔ پچھلے دنوں ''تدبر'' اور ''الاعلام'' میں ''رجم'' کے خلاف بڑی شد ومد کے ساتھ مضامین شائع ہوئے فقیر نے نہایت بسط و تفصیل سے قوی دلائل کے ساتھ ان کا رد کیا اور اسے ''رجم اسلامی سزا ہے'' کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔

اب ''عورت کی نصف دیت'' کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا جو اخبارات کے ذریعے پورے ملک میں پھیلا دیا گیا۔ فقیر نے ایک مبسوط مضمون اس کے رد میں لکھا جس کا اکثر حصہ اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ اگر اسلام اور قرآن کے منکرین کی طرف سے دین کے ان متفقہ مسائل کے خلاف آواز اٹھتی تو کوئی حیرت ہوتی نہ شکایت مگر تعجب اور افسوس اس بات پر ہے کہ اسلام اور قرآن کا نام لیکر اسلامی اور قرآنی احکام کو مسخ کرنے کی سعی مذموم کی جا رہی ہے جو ایک بہت بڑا المیہ ہے۔

''دیت'' کے بارے میں فقیر کا یہ پورا مضمون کچھ ترمیم اور اضافہ کے ساتھ اب کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے۔

علالت وضعف اور دیگر علمی مصروفیات کے باوجود اثباتِ مدعٰی اور ازالۂ شکوک وشبہات کی فقیر نے پوری کوشش کی ہے۔ اللہ تعالٰی اس کوشش کو کامیابی سے ہمکنار فرما کر شرفِ قبول عطا فرمائے۔ (آمین)

سید احمد سعید کاظمی
۲۳ر جنوری ۱۹۸۵ء

دِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ

عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ھے (حدیث نبوی)

اسلام میں عورت کی دیت

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند ✿ سعدی از دستِ خویشتن فریاد

اسلام اور قرآن کا نام لے کر اسلام کے طے شدہ مسائل کو ایسے نازک دور میں چیلنج کیا جارہا ہے جب کہ اسلامی نظام کے نفاذ کا موقع ہے۔ پچھلے دنوں ''تدبر'' اور ''الاعلام'' میں ''رجم'' کے خلاف بڑی شد و مد کے ساتھ مضامین شائع ہوئے فقیر نے نہایت بسط و تفصیل سے قوی دلائل کے ساتھ ان کا رد کیا اور اسے ''رجم اسلامی سزا ہے'' کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔

اب ''عورت کی نصف دیت'' کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا جو اخبارات کے ذریعے پورے ملک میں پھیلا دیا گیا۔ فقیر نے ایک مبسوط مضمون اس کے رد میں لکھا جس کا اکثر حصہ اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ اگر اسلام اور قرآن کے منکرین کی طرف سے دین کے ان متفقہ مسائل کے خلاف آواز اٹھتی تو کوئی حیرت ہوتی نہ شکایت مگر تعجب اور افسوس اس بات پر ہے کہ اسلام اور قرآن کا نام لیکر اسلامی اور قرآنی احکام کو مسخ کرنے کی سعی مذموم کی جارہی ہے جو ایک بہت بڑا المیہ ہے۔

''دیت'' کے بارے میں فقیر کا یہ پورا مضمون کچھ ترمیم اور اضافہ کے ساتھ اب کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے۔

علالت وضعف اور دیگر علمی مصروفیات کے باوجود اثباتِ مدعیٰ اور ازالۂ شکوک وشبہات کی فقیر نے پوری کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو کامیابی سے ہمکنار فرما کر شرفِ قبول عطا فرمائے۔ (آمین)

سید احمد سعید کاظمی

۲۳/جنوری ۱۹۸۵ء

مسئلہ دیت میں دلائل پر کلام کرنے سے پہلے عرض کروں گا کہ احکامِ شرعیہ جن حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہیں اور جو اسرارِ الٰہیہ ان میں پائے جاتے ہیں کتاب وسنت کی روشنی میں اگر انہیں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجائے گی کہ عورت کے قتل عمد میں قصاص اور اس کے قتل خطاء میں نصف دیت کا حکم کتاب وسنت کی روح کے عین مطابق ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے دو باتیں پیش نظر رکھی جائیں، ایک یہ کہ مسلمان عورت اور مسلمان مرد انسان اور مسلمان ہونے میں مساوی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ عورت کی خلقت میں مرد کی بہ نسبت کمزوری اور کمی پائی جاتی ہے۔

یوں تو انسان مطلقاً ضعیف پیدا کیا گیا۔ عام اس سے کہ وہ مرد ہو یا عورت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا'' سورۂ نساء آیت نمبر ۲۸۔

یہی وجہ ہے کہ اسے اعمالِ شاقہ کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں

دیتا" سورۃ بقرہ آیت ۲۸۶

لیکن مرد کی بہ نسبت عورت زیادہ کمزور ہے اور اس کی خلقت میں مرد کی خلقت سے کمی پائی جاتی ہے، اسی لیے عورت کو صنفِ نازک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ نزاکت درحقیقت اس کی کمزوری اور خلقت میں کمی ہے۔

عربی میں عورتوں کو نساء کہا جاتا ہے جو "نسی العمل" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں "ترک العمل" (المنجد ص ۸۰۷) عمل طاقت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ترک عمل طاقت نہ ہونے کا مشعر ہوگا۔

مرد کو اہلِ عرب لفظ "الرجل" سے تعبیر کرتے ہیں جس کا اصل مادہ قوت کے معنی میں آتا ہے۔ (روح المعانی پ۲ ص ۱۱۶، تفسیر ملخصاص ۱۷۷ ج ۲)

"هذا ارجل الرجلين" کے معنی ہیں "اشد الرجلين" یعنی دو آدمیوں میں جو زیادہ طاقتور ہوا اسے "ارجل الرجلين" کہا جاتا ہے۔ (تاج العروس ص ۳۳۵ ج ۷)

لسان العرب میں ہے "الرجلة" "القوة على المشي" اسی میں ہے "رجل رجيل" "قوى على المشي" نیز "رجل صلب" (لسان العرب ج ۱۱ باب لام ص ۲۷۱)

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں "رجل" راجل، ای قوی علی المشی مفردات راغب ص ۱۸۹۔ خلاصہ یہ کہ مرد کی بہ نسبت عورت کے جسمانی روحانی علمی اور عملی قوی خلقۃً کمزور اور ناقص ہیں۔ اسی لیے مرد نبی ہوئے مگر کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔ قرآن مجید میں ہے۔

"ہم نے آپ سے پہلے مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم نے وحی کی۔ (سورۃ یوسف آیت ۱۰۹، النحل آیت ۴۳، الانبیاء آیت نمبر ۷)

انسانیت اور اسلام میں تساوی کا تقاضا یہ ہے کہ مرد عورت احکام شرعیہ میں مساوی ہوں اور عورت کے فطری ضعف اور خلقی کمزوری کا مقتضی عدم مُساوات ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے حکمت کے مطابق عدل وانصاف کے ساتھ دونوں تقاضوں کو پورا کر دیا۔ مثلاً عقائد وایمانیات اور ارکانِ اسلام کے وجوب میں مساوات رکھی، ضرورت دین کی تصدیق اور ایمان، مرد و عورت دونوں پر یکساں واجب ہے۔ فی الجملہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی فرضیت میں بھی مرد عورت دونوں مساوی ہیں اور عدمِ مُساوات کے تقاضے کی تکمیل کے لئے بعض احکام میں عورت کو مرد کے مساوی نہیں رکھا گیا۔ مثلاً نکاح میں عورتوں کیلئے مہر مرد پر واجب ہے۔ عورت پر مرد کے لئے مہر واجب نہیں۔ مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔ عورت کو صرف خلع کا حق حاصل ہے۔ وہ مرد کو طلاق نہیں دے سکتی۔ مرد کے لئے چار عورتوں کو اپنے نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ عورت کے لئے ایک سے زیادہ مردوں سے بیک وقت نکاح کرنا جائز نہیں، اسی طرح مرد عورتوں پر قوام ہیں، عورتیں مردوں پر قوامات نہیں، مردوں پر عورتوں کا نفقہ واجب ہے، عورتوں پر مردوں کا نفقہ واجب نہیں، ارشاد

خداوندی ہے۔

''مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔'' (سورۃ النساء آیت ۱۱)

اس فرمانِ الٰہی کے خصوص میں بھی عورت پر مرد کو فضیلت حاصل ہے۔ یہاں پر عورت کا حصہ مرد سے آدھا ہے کیونکہ اپنے اہل کی عفت و عصمت کی نصرت و حمایت اپنی قوت کے ساتھ مرد ہی کر سکتا ہے۔ عورت اپنی خلقی کمی اور فطری کمزوری کی وجہ سے یہ فریضہ سرانجام نہیں دے سکتی۔ نیز یہ کہ مردوں پر مصارف کثیرہ کا بوجھ ہے جو عورتوں پر نہیں۔ اس لئے یہاں مرد کا حصہ دو گنا ہے۔ اُس میں عورت مرد کے مساوی نہیں۔ یہ سب مرد کے فضائل ہیں۔ اسی حقیقت کے پیشِ نظر شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۲ ج نمبر ۲ میں فرمایا کہ قصاص میں مرد عورت کی برابری جنسِ انسانیت میں دونوں کے مساوی ہونے کا تقاضا ہے اور دیت میں مرد عورت کا برابر نہ ہونا دیگر امورِ مذکورہ میں ان کے مساوی نہ ہونے اور مرد کے افضل ہونے کا مقتضی ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کی دیت کا مرد کے برابر نہ ہونا عورت کی خلقی کمی اور اس کے فطری ضعف پر مبنی ہے۔ ان چند سطور سے پہلے شاہ صاحب نے عورت کی دیت کو مرد کی دیت کے برابر قرار نہیں دیا بلکہ عورتوں کی دیت کو آپس میں مماثل اور مساوی قرار دیا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''وللرجال علیھن درجۃ'' کے تحت یہی بات فرمائی کہ مرد کا عورت سے افضل ہونا امر معلوم ہے۔ اس کے باوجود اس مقام پر اس فضیلت کا ذکر فرمانا دو وجوہ پر مبنی ہے۔ پہلی وجہ میں عورت پر مرد کی فضیلت کے آٹھ امور بیان کرتے ہوئے فرمایا ''پہلا امر عقل ہے'' جس میں مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۱۷۳ ج ۲)

شاہ ولی اللہ اور بعض دیگر علماء کے کلام میں عمل بالقیاس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ دلیل قیاسی ہے یا رائے کو اس میں دخل ہے بلکہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دلیلِ سمعی (کتاب و سنت) سے عورت کی نصف دیت کا ثابت ہونا خلافِ عقل نہیں بلکہ عقل سلیم، قیاس صحیح اور اصابتِ رائے کا مقتضی بھی یہی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ اور تفسیر کبیر کے اقتباسات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ کے نزدیک حکمِ شرعی اور مرادِ الٰہی یہی ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے ''اور جس نے خطا کے طور پر کسی مومن کو قتل کیا تو ایک مسلمان غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے اور دیت ہے سپرد کی ہوئی اس (مقتول) کے اہل کی طرف (سورۃ نساء آیت ۹۲)

اس آیت میں مومن کے قتل خطا میں کفارہ کے بعد وجوب دیت کا حکم مذکور ہے۔ یہاں لفظ مومن عام ہے۔ اس میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ دونوں اس میں شامل ہیں۔

اسی طرح وجوب دیت کا حکم بھی عام ہے۔ اس میں بھی کوئی تخصیص نہیں۔ مومن مرد ہو یا عورت ہر ایک کے قتل خطا میں دیت واجب ہے لیکن مقدارِ دیت قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں۔ مقدار کے بارے میں لفظ دیت مجمل ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے ولم یعین اللہ فی کتابہ مایعطی فی الدیۃ (قرطبی ص ۳۱۵ ج ۳)

اسی آیت کے تحت تفسیر مظہری میں ہے وھی مجملۃ فی المقدار ومن یجب علیه بینه النبی ﷺ (تفسیر مظہری ص ۱۸۵ج ۲) اسی طرح ص ۱۹۳ پ۵ پر ہے لان الدیة لفظ مجمل ورد بیانه من النبی ﷺ (مظہری)

بدائع الصنائع میں ہے انه مجمل فی بیان القدر والوصف فبین علیه الصلوۃ والسلام قدر الدیة بدائع الصنائع امام ابوبکر بن مسعود کاسانی ص ۲۵۷ ج ۷ السنۃ (للامام محمد بن نصر المروزی ص ۶۰)

قرآن کے مجمل کی تفسیر اگر قرآن میں نہ ہو تو رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی طرف رجوع کیا جائیگا۔ کسی کو اپنی رائے سے اس کی تفسیر کرنے کا حق نہیں۔ حکم قرآنی ہے "نماز قائم کرو اور زکوۃ دو" (بقرہ آیت ۴۳)

یہ آیت، وجوبِ صلوٰۃ وزکوۃ میں واضح ہے لیکن مقادیر زکوۃ اور نمازوں کی تعداد، اسی طرح تعداد رکعت کے بارے میں یہ آیت مجمل ہے۔ کسی کی رائے کو اس میں دخل نہیں۔ تفسیر بالرائے کرنے والا حدیث پاک کی روشنی میں ناری ہے۔

مقدار دیت کے اجمال کا بیان بھی سنت وحدیث ہی کی روشنی میں معلوم ہو سکتا ہے۔ کسی کو اپنی رائے سے اس کی تفسیر کرنا جائز نہیں۔ واضح رہے کہ قصاص کے علاوہ مال کی کسی مقدار پر آپس میں صلح کر لیں۔ اس مال کو بدلِ صلح کہا جاتا ہے اور قتل خطا میں قصاص کا حکم نہیں۔ صرف دیت ہے اگر مرد ہو تو مقدار دیت سو اونٹ ہے اور عورت کے قتل میں اس کی دیت کی مقدار مرد کی دیت کا نصف ہے یعنی پچاس اونٹ چنانچہ مقدار دیت کے اس اجمال کی تفصیل مندرجہ ذیل احادیث نبویہ کی روشنی میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ قتل خطا میں مرد کی دیت کی مقدار رسول اللہ ﷺ نے سو اونٹ مقرر فرمائی۔

(۱) عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے، وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو بن عاص) سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بطورِ خطا قتل کر دیا جائے اس کی دیت سو اونٹ ہے۔ (نسائی ص ۲۱۴ ج ۲، ابوداؤد ص ۶۲۳ ج ۲)

(۲) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا نبی کریم ﷺ نے فرمایا قتل خطا شبہ عمد کی دیت، جو کوڑے یا لاٹھی سے قتل کیا گیا ہو سو اونٹ ہے۔ (نسائی ص ۲۱۴، ج ۲۔ بیہقی ص ۴۳ ج ۸)

(۳) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سن لو بیشک قتل خطا شبہ عمد کی دیت، جو کوڑے یا لاٹھی یا پتھر سے قتل کیا گیا ہو، سو اونٹ ہے۔ (نسائی ۲۱۴ ج ۲، بیہقی ص ۴۳ ج ۸)

ان احادیث میں مرد کی دیت کی مقدار بیان فرمائی گئی ہے۔ عورت کی دیت کی مقدار ذیل کی احادیث میں مذکور ہے۔

(۴) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔" (سنن کبریٰ للبیہقی ص ۹۵ ج ۸)

(۵) نسائی شریف میں ہے عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمر بن عاص) سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت کی طرح ہے یہاں تک کہ وہ تہائی کو پہنچ جائے۔ (نسائی شریف ص ۲۱۴ ج ۲)

(۶) حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت کی مثل ہے یہاں تک کہ وہ تہائی کو پہنچ جائے اور یہ منقولہ میں ہے یعنی اس زخم میں جس میں ہڈی ٹوٹ کر اپنی جگہ سے الگ ہو جائے پھر جو منقولہ سے زائد ہو وہ مرد کی دیت کا نصف ہوگا۔ جو کچھ بھی ہو۔ (جراحۃ ہو یا جان) مصنف عبدالرزاق ص۳۹۶ ج۹ متوفی ۲۱۱ھ)

(۷) حضرت عکرمہ نے نبی کریم ﷺ سے حدیث سابق کی مثل روایت کی (مصنف عبدالرزاق ص۳۹۶، ج۹)

قرآن کریم میں لفظِ دیت کے اجمال کی تفصیل رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی روشنی میں ہمارے سامنے آ گئی کہ قتل خطا کی صورت میں مرد کی دیت کی مقدار سو اونٹ ہے اور عورت کے قتل خطا میں دیت کی مقدار مرد کی دیت کا نصف ہے۔ یعنی پچاس اونٹ۔ آیت کریمہ کا اجمال دور ہو جانے کے بعد اس آیت قرآنیہ سے قتل خطا میں مقدارِ دیت واضح ہو گئی اور آیت کریمہ کا یہ مفہوم متعین ہو گیا کہ مومن کے قتل خطا میں کفارہ واجب ہے اور مقتول کے اہل کو دیت ادا کرنا بھی یقیناً واجب ہے۔ دیت کے واجب ہونے میں مرد و عورت مساوی ہیں مگر مقدارِ دیت میں مساوی نہیں۔ مرد کی دیت سو اونٹ ہے اور عورت کی دیت اس کا نصف ہے یعنی پچاس اونٹ۔ دیت اور اس کی مقدار عقل و قیاس سے بالاتر اور محض بیانِ شارع پر موقوف ہے۔ کسی کی رائے کو اس میں دخل نہیں۔ اس لئے اس باب میں موقوف حدیثیں بھی مرفوع کا حکم رکھتی ہیں۔ چند احادیثِ موقوفہ درج ذیل ہیں۔

(۸) امام عبدالرزاق نے معمر سے اس نے ابن ابی نجیح سے اس نے مجاہد سے اس نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ پانچ اونٹ تک مرد و عورت برابر ہیں۔ مجاہد نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت ہر چیز میں نصف ہے یعنی اس کے زخم و جان دونوں کی دیت نصف ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ص۳۹۷ ج۹)

اس حدیث کو طبرانی نے بھی روایت کیا۔ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ لیکن مجاہد نے عبداللہ بن مسعود سے نہیں سنا۔ (مجمع الزوائد ص۲۹۹، ج۶)

(۹) ابراہیم (نخعی) حضرت عمر بن خطاب اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں دونوں نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔ جان میں اور اس کے ماسوا میں (السنن الکبریٰ ص۹۶ ج۸)

(۱۰) شعبی حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا مردوں اور عورتوں کے زخم تہائی تک برابر ہیں جو زیادہ ہو وہ نصف پر ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا دانت اور موضحہ (جس زخم میں ہڈی ظاہر ہو جائے) کے سوا کیونکہ ان کی دیت برابر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول شعبی کو زیادہ پسند تھا۔ (بیہقی ص۹۶ ج۸)

بیہقی نے کہا اس حدیث کو ابراہیم نخعی نے زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ وہ سند منقطع ہے اور شقیق نے بھی یہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ سند موصول ہے۔ (بیہقی ص۹۶، ج۸)

(۱۱) ابن شہاب اور مکحول اور عطا سے روایت ہے تینوں نے کہا ہم نے لوگوں کو اس بات پر پایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں

آزاد مسلمان مرد کی دیت سو اونٹ تھی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی قیمت لگا کر شہریوں پر ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم مقرر فرمائے اور مسلمان آزاد عورت کی دیت جب کہ وہ شہری آبادیوں سے ہو پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم مقرر فرمائے۔اگر شہری عورت کا قاتل دیہاتی ہو تو اس کی دیت پچاس اونٹ ہے اسی طرح دیہاتی عورت کو اگر کوئی دیہاتی قتل کرے تو اس کی دیت بھی پچاس اونٹ ہے۔ دیہاتی کو سونے چاندی کی تکلیف نہیں دی جائیگی۔(السنن الکبریٰ ص ۹۵،ج ۱۲)

(۱۲) امام محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں ہم سے اسحاق نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو اسامہ نے وہ محمد بن عمرو بن علقمہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دیات کے بارے میں ایک حکم نامہ لکھا جس میں انہوں نے اس بات کا ذکر فرمایا کہ مسلمان مرد کی دیت رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں سو اونٹ تھی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں ان کی قیمت لگا کر شہریوں پر ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم مقرر فرمائے اور مسلمان آزاد عورت کی دیت عہد رسالت مآب ﷺ میں پچاس اونٹ تھی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی قیمت لگا کر پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم مقرر فرمائے۔(کتاب "السنۃ" ص ۶۳ طبع ریاض مؤلفہ:امام محمد بن نصر مروزی)

(۱۳) ابن ابی نجیح اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ کسی آدمی نے مکہ مکرمہ میں ایک عورت کو پامال کر کے ہلاک کر دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کے قتل میں آٹھ ہزار درہم ادا کئے جائیں۔چھ ہزار عورت کی پوری دیت اور دو ہزار اس کا تہائی حصہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس زائد تہائی حصے کا حکم بطور تغلیظ تھا کہ حرم مکہ میں اس نے قتل کیا۔ (السنن الکبریٰ ص ۹۵ ج ۸)

(۱۴) امام عبدالرزاق صاحب مصنف معمر سے روایت کرتے ہیں۔معمر نے زہری سے روایت کی کہ امام زہری نے فرمایا کہ مرد و عورت کی دیت برابر ہے۔یہاں تک کہ دیت کے تیسرے حصے تک پہنچ جائے اور یہ جائفہ میں ہے یعنی اس زخم میں جو پیٹ کی گہرائی تک پہنچ جائے۔پھر تہائی حصے تک پہنچنے کے بعد عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۹۴،ج ۹)

(۱۵) امام عبدالرزاق ابن جریج سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا مجھے ہشام بن عروہ نے عروہ سے روایت کرتے ہوئے خبر دی وہ فرماتے ہیں۔عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے۔یہاں تک کہ تہائی کو پہنچ جائے۔پھر تہائی تک پہنچنے کے بعد عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۹۴،ج ۹)

(۱۶) حضرت شریح سے روایت ہے کہ ہشام ابن ہبیرہ نے خط میں ان سے سوال کیا۔حضرت شریح نے انہیں جواب میں لکھا کہ ہر چھوٹے اور بڑے موجب دیت زخم میں عورت کی دیت مرد سے آدھی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عورت کے قتل خطا میں عورت کی دیت کو مرد کی دیت کا نصف کہتے تھے سوائے دانت اور موضحہ کے کہ ان دونوں میں مرد و عورت برابر ہیں اور زید بن ثابت کہتے تھے کہ خطا کی صورت میں عورت (کے زخموں) کی دیت مرد کی دیت کی مثل ہے۔یہاں تک کہ وہ ثلث کو پہنچے۔تہائی سے زائد ہو جائے تو مرد کی دیت کا نصف ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۰۷،ج ۱۰)

(۱۷) امام مالک، ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں اور عروہ بن زبیر سے بھی انہیں روایت پہنچی کہ زہری اور عروہ بن زبیر دونوں کا قول عورت کے بارے میں سعید بن میتب کے قول کی مثل ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے تہائی حصے تک مرد کے برابر ہوگی مرد کی دیت کے تہائی حصہ تک پہنچنے کے بعد عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی۔ (موطا امام مالک ص ۶۷۰)

(۱۸) حضرت شریح سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر کے پاس سے عروہ بارقی یہ حکم میرے پاس لے کر آئے کہ مردوں اور عورتوں کے زخم دانت اور موضحہ میں برابر ہیں۔ اس سے زیادہ میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ مخطوط ص ۲۰۰، ج ۱۰)

(۱۹) امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں ہمیں امام ابوحنیفہ نے خبر دی وہ حماد سے روایت کرتے ہیں۔ حماد ابراہیم سے، ابراہیم نخعی حضرت علی ﷺ سے راوی ہیں حضرت علی ﷺ نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ جان میں ہو یا اس کے ماسوا جراحات میں (کتاب الحجہ ص ۲۷۲، ج ۴)

(۲۰) ابراہیم (نخعی) حضرت علی بن ابی طالب ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ جاں میں اور اس کے علاوہ (جراحات) میں (السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۹۶، ج ۸)

ازالہ شبہات:

پوری قوت سے کہا جا رہا ہے کہ بیہقی نے "وفیہ ضعف" کہہ کر حدیث معاذ بن جبل کے ضعیف ہونے کا فیصلہ کر دیا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ امام بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا بلکہ اس کی دوسری سند کو ضعیف کہا ہے جیسا کہ وہ حصلا فرما رہے ہیں۔ "بطریق عبادہ بن نسی یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے اور اس میں ضعف ہے" دوسری سند کا ضعف ہمیں مضر نہیں بلکہ تعدد طرق موجب تقویت حدیث ہے۔ ابن ترکمانی نے بھی اس کے تحت لکھا ہے میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ بیہقی کا قول "وفیہ ضعف" وجہ اخیر (دوسری سند) کے بارے میں ہے۔"

یہاں یہ شبہ وارد کرنا بھی صحیح نہیں کہ اگلے باب "دیة جراح المرأة" میں جہاں عورت کے زخموں کی دیت سے متعلق حدیثیں وارد ہیں۔ امام بیہقی کا یہ قول منقول ہے۔ "وروی عن معاذ بن جبل عن النبی ﷺ باسناد لایثبت مثلہ" یعنی غیر ثابت سند کے ساتھ نبی ﷺ کی حدیث معاذ بن جبل سے مروی ہے۔

اس لئے کہ اس قول میں سیاق وسباق کے پیش نظر ہماری منقولہ حدیث معاذ بن جبل ﷺ مراد نہیں ہو سکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو امام بیہقی باب سابق میں حدیث کی دوسری سند کو ضعیف کہنے کی بجائے اسی مقام پر "باسناد لایثبت مثلہ" فرما دیتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ امام بیہقی دوسرے باب میں معاذ بن جبل کی جس روایت کے متعلق "باسناد لا یثبت مثلہ" فرما رہے ہیں وہ معاذ بن جبل کی کوئی ایسی ہی روایت ہو سکتی ہے جو زخموں کی دیت کے بیان میں احادیث باب کے ہم معنی ہو اور وہ حضرت معاذ بن جبل

ﷺ کی وہی حدیث مرفوع ہے جو ایک سند ضعیف کے ساتھ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ دیت جراحات واعضاء کے متعلق اسی کتاب الدیات میں اس سے قبل تین جگہ وارد کر چکے ہیں اور اس کے متعلق "وفیہ ضعف" کی تصریح بھی انہوں نے فرمادی ہے۔

دیکھئے امام بیہقی فرماتے ہیں۔

(۱) ابو یحیٰی ساجی نے بطریق عبادہ بن نسی، ابن غنم، حضرت معاذ بن جبل ﷺ سے مرفوعاً سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا "وفی السمع مأة من الابل" اور ساعت میں سواونٹ دیت ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ص۸۵ ج۸)

(۲) ابو یحیٰی ساجی کی ان مرویات میں جو اپنی سند کے ساتھ انہوں نے معاذ بن جبل سے مرفوعاً روایت کیں حضور ﷺ کی یہ حدیث بھی ہے "وفی العقل مائة من الابل" (عقل میں سواونٹ دیت ہے) (بیہقی ص۹۰ ج۸)

الحمدللہ ثابت ہو گیا کہ "باسناد لا یثبت مثلہ" سے مراد یہی ضعیف حدیث ہے نہ کہ ہماری پیش کردہ حدیث۔

تینوں جگہ "واؤ عاطفہ" معطوف علیہ کو چاہتا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ امام بیہقی نے ہر جگہ اختصار کیا ہے اور پورا متنِ حدیث کسی ایک جگہ وارد نہیں کیا۔

متنِ حدیث کا جو حصہ یہاں مذکور نہیں ممکن ہے کہ اس میں "دیة المرأة علی النصف من دیة الرجل" کا جملہ بھی شامل ہو۔ اس تقدیر پر امام بیہقی کا قول "وروی ذالک من وجہ آخر عن عبادة بن نسی وفیہ ضعف" بھی اسی غیر ثابت اور ضعیف سند کی طرف راجع ہوگا۔ بہر صورت سند ضعیف اور غیر ثابت کا مصداق بے غبار ہو کر سامنے آ گیا اور ہماری پیش کردہ حدیث معاذ بن جبل کے ضعف کا وہم ہباءً منثوراً ہو گیا۔

ابن ترکمانی کا اس مقام پر یہ کہنا کہ "اور اس کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث کی دونوں سندوں کو شامل ہے۔" خود ان کے قول اول کے معارض ہے جو اس سے پہلے متصلاً مذکور ہے اور قبل ازیں ہم اسے نقل بھی کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس قول سے "حدیث معاذ بن جبل" ﷺ کا غیر ثابت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ رہا ابن حجر کا یہ کہنا کہ "عمرو بن حزم" ﷺ کی حدیث طویل میں رسول اللہ ﷺ کا قول مبارک "عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے" نہیں ہے یہ جملہ صرف بیہقی نے معاذ بن جبل کی حدیث سے روایت کیا اور کہا "یہ اسناد غیر ثابت ہے" اگر اس قول کو ہماری پیش کردہ حدیث کے بارے میں تسلیم کر لیا جائے تو ہمارے اس بیان کی روشنی میں یہ بیہقی کے قول کی ایسی توجیہ ہوگی جس سے وہ خود بھی راضی نہیں۔

بیہقی نے یہ کب کہا کہ روایت معاذ بن جبل "عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے" کسی ایک سند صحیح سے بھی ثابت نہیں۔ اگر ہم یہ تسلیم ہی کر لیں کہ ہماری ہی پیش کردہ حدیث کے بارے میں ابن حجر کا یہ قول ہے تو ان کی یہ لغزش ایسی ہی ہوگی جیسی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے لغزش سرزد ہوئی جس کا اعتراف ابن حجر نے "ولا بد للجواد من کبوة" کے الفاظ میں کیا ہے۔ (مقدمہ فتح الباری ص۱۰۵، ج۲)

عمرو بن حزم ﷺ کی حدیث طویل کے بارے میں انشاء اللہ ہم مفصل کلام کریں گے۔

مزید برآں اس امر پر اصرار شدید ہے کہ حدیث معاذ بن جبل کے تین راوی (حفص بن عبداللہ، ابراہیم بن طہمان اور بکر بن خنیس) مطعون ہیں اور اس کی سند منقطع ہے۔ (ملی ایڈیشن نوائے وقت ۳۰/اگست ۱۹۸۴ء)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں راوی ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں۔

ملاحظہ ہو۔

(۱) حفص بن عبداللہ کے بارے میں نسائی نے کہا "اس میں کوئی مضائقہ نہیں" ابن حبان نے اس کو ثقہ راویوں میں ذکر کیا۔ یہ صحیح بخاری، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ کے راوی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ص ۴۰۳، ج ۲)

(۲) ابراہیم بن طہمان کے متعلق ابن مبارک نے کہا "صحیح الحدیث ہے" امام احمد ابوحاتم اور ابوداؤد نے کہا "ثقہ" ہے۔ ابوحاتم نے اتنی بات اور زیادہ کہی کہ "وہ نہایت سچا ہے۔ حسن الحدیث ہے" ابن معین اور عجلی نے کہا "اس میں کوئی مضائقہ نہیں" عثمان بن سعید دارمی نے کہا "یہ حدیث میں ثقہ تھا۔ ائمہ حدیث اس کی حدیث کے ہمیشہ خواہشمند رہتے تھے اور اس میں رغبت رکھتے تھے اور اس کی توثیق کرتے تھے۔ صالح بن محمد نے کہا "ثقہ ہے حسن الحدیث ہے۔ کچھ ارجاء فی الایمان کی طرف مائل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اس کی حدیث کی محبت پیدا کردی۔ نہایت کھری اور عمدہ روایت والا ہے۔" اسحاق بن راہویہ نے کہا "وہ صحیح الحدیث تھا۔ حسن الروایۃ، کثیر السماع تھا۔ خراسان میں اس سے زیادہ حدیث روایت کرنے والا، دوسرا کوئی نہ تھا اور ثقہ ہے۔" ابراہیم بن طہمان صحاح ستہ کا راوی ہے۔ (تہذیب التہذیب ص ۱۲۹، ج ۱)

اگر کسی راوی کے حق میں ضعف کا قول یا کوئی جرح مذکور ہے تو وہ جرح مبہم ہے۔ جس کا محدثین کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں، بالخصوص جس کی تعدیل و توثیق ائمہ حدیث سے منقول ہو۔ اس کے حق میں جرح مبہم قطعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ایسی جرح و تضعیف تو صحیحین کے راویوں کے حق میں بھی کی گئی ہے کیا بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی ضعیف ہیں؟

یہ بھی کہا گیا ہے کہ معاذ بن جبل کی یہ حدیث صحاح ستہ میں موجود نہیں۔ میں عرض کروں گا کہ صحیح حدیث کی یہ تعریف کس نے کی ہے کہ وہ صحاح ستہ میں ہو پھر یہ کہ حدیث کی اصل تو اس کے راوی ہیں اور حدیث معاذ بن جبل کے راوی صحاح ستہ کی ہر کتاب میں موجود ہیں بعض صحیحین میں اور بعض بقیہ صحاح ستہ میں جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اس مقام پر یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ معاذ بن جبل کی نصف دیت والی حدیث کو بیہقی سے پہلے کسی نے اپنی کتاب میں درج نہیں کیا۔

میں عرض کروں گا کہ حدیث معاذ بن جبل نہ سہی عورت کی نصف دیت میں دیگر احادیث مرفوعہ اور بکثرت احادیث موقوفہ تو پہلے محدثین نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہیں جو سب صحیح و ثابت ہیں جیسا کہ ہم ابھی نقل کر چکے ہیں اور عنقریب تفصیلی کلام کریں گے۔

رہی یہ بات کہ ساڑھے چار سو برس کے بعد بیہقی نے پہلی مرتبہ یہ حدیث اپنی کتاب میں درج کی تو یہ بالکل ایسی بات ہے جیسے

آریہ اور عیسائی کہا کرتے ہیں کہ تمہارا قرآن بھی نبی کی وفات کے سالہا سال بعد حضرت عثمان کی خلافت میں جمع کیا گیا اور تمہارے رسول کی حدیثیں دوسو برس کے بعد جمع ہوئیں۔منکرین حدیث یہ بھی کہتے ہیں کہ دوسو برس کے بعد لوگوں نے اپنی کتابوں میں حدیثیں لکھ دیں۔ایسی حدیثوں کا کیا اعتبار؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ بکثرت وہ احادیث جو امام بخاری سے پہلے ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں درج کی تھیں امام بخاری نے انہیں اپنی صحیح میں داخل نہیں کیا اور بعض ایسی حدیثیں صحیح بخاری میں شامل کردیں جو ان سے پہلے محدثین کی کتابوں میں نہیں پائی جاتیں۔اصل بات یہ ہے کہ محض لوگوں کے جذبات سے کھیلنے کے لئے ایسی باتیں کہی جارہی ہیں جن کا حقیقت اور واقعیت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔انقطاع سند کا دعویٰ بھی بلا سند ہے۔شاید عنعنہ کی وجہ سے یہ وہم پیدا ہوا مگر یہ صحیح نہیں۔اس لئے کہ اس عنعنہ میں کسی راوی کے حق میں موجب جرح تدلیس ثابت نہیں اور کتب اسماء الرجال کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان سب راویوں کی لقاء یا امکان اپنے مروی عنہ سے ثابت ہے لہٰذا انقطاع کا وہم بے بنیاد ہے۔اگر کسی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے تو یہ ہمیں مضر نہیں، کتب علوم حدیث کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ بعض صحیح حدیثوں کو ضعیف کہا گیا ہے۔دیکھئے دارقطنی وغیرہ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی دوسو دس حدیثوں پر اعتراضات کئے لیکن چند احادیث کے سوا وہ سب حدیثیں صحیح ہیں۔

"مقدمہ فتح الباری ص ۱۱۰، ج ۲ تدریب الراوی ص ۲۷، حاشیہ شرح نخبۃ للقاری ص ۶۵ طبع استنبول"

پھر یہ کہ **تلقی بالقبول** کے بعد حدیث کا ضعف باقی نہیں رہتا بلکہ وہ واجب العمل ہو جاتی ہے۔جیسا کہ انشاء اللہ آگے چل کر ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔

ازالۂ شبہات کے بعد حدیث معاذ بن جبل کا صحیح، ثابت اور واجب العمل ہونا بے غبار ہو گیا۔اس کے بعد حق پسندی اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اسے تسلیم کرلیا جائے۔احادیث موقوفہ حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی قوی تائید کرتی ہیں۔ان میں جو مرسل ہیں وہ بھی ثابت اور صحیح کے حکم میں ہیں۔جیسا کہ آگے چل کر ہم مفصل بیان کریں گے۔الحمد للہ اب واضح ہو گیا کہ آیت کریمہ "دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ" میں لفظ دیت جو مقدار میں مجمل تھا۔احادیث منقولہ بالا سے اس کی تفسیر ہو گئی اور ظاہر ہو گیا کہ دیت رجل کی مقدار سو اونٹ ہے اور عورت کی دیت کی مقدار اس کا نصف یعنی پچاس اونٹ۔

قرآن کی مجمل تفسیر سے جو حکم ثابت ہو گا وہ قرآن ہی کا حکم قرار پائے گا۔معلوم ہوا عورت کی دیت کا مرد کی دیت سے نصف ہونا حکم قرآنی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کتاب عمرو بن حزم کی طویل حدیث میں غیر مسلم کی نصف دیت کا ذکر ہے۔اگر عورت کی دیت نصف ہوتی تو اس کا ذکر بھی ضرور ہوتا۔ثابت ہوا کہ عورت کی دیت نصف نہیں بلکہ وہی پوری دیت ہے۔جس کا ذکر "دية النفس مائة ابل" کے ضمن میں اس حدیث میں وارد ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے طویل حصے میں مرد ہی کی دیات مذکور ہیں۔غیر مسلم کی نصف دیت کا ذکر بھی اسی لئے

وارد ہے کہ وہ مرد ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے طویل حصے میں مرد کے خاص اعضاء کی دیات مذکور ہیں۔عورت کے کسی عضو خاص کا کوئی ذکر نہیں۔اگر اس حدیث کے احکام دیات مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی شامل ہوتے تو جس طرح مرد کے خاص اعضاء کی دیت کے احکام مذکور ہوئے عورت کے بھی کسی خاص عضو کی دیت کا حکم مذکور ہوتا مگر ایسا نہیں۔معلوم ہوا کہ قائلین مساوات نے حدیث کے جس طویل حصہ کو پیش نظر رکھا ہے اس کا تعلق صرف مرد سے ہے عورت سے نہیں۔عورت کی دیت کا ذکر حدیث کے آخر میں "دیة المرأة نصف دیة الرجل" کے الفاظ میں مذکور ہے۔جس پر حدیث عمرو بن حزم کے ضمن میں مفصل کلام آ رہا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ کیسا ظلم ہے کہ مرد کے ایک عضو خاص کی دیت سو اونٹ ہوں اور پوری عورت کی دیت پچاس اونٹ، گویا عورت کی قدر و منزلت مرد کے ایک عضو حقیر کے برابر بھی نہیں۔عورت کا کیا قصور ہے یہی کہ اس نے مرد کو جنا اور وہ اس کی ماں ہے اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

میں جواباً عرض کروں گا کہ عورت کی دیت سو اونٹ تسلیم کرنے والے عمرو بن حزم کی اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں مرد کے اس عضو حقیر کی دیت سو اونٹ مذکور ہے۔اس صورت میں بقول ان کے صرف یہی ظلم نہ ہوگا کہ جس عورت نے مرد کو جنا، جس کے قدموں کے نیچے اس کی جنت ہے اس کا مرتبہ مرد کے عضو حقیر کے برابر کر دیا جائے بلکہ لازم آئے گا کہ پورا مرد ہی اپنے عضو حقیر کے مساوی ہو جائے۔کیا کسی انسان کو اس خاص عضو حقیر کے مساوی قرار دینا انسان کی تحقیر و تذلیل اور اس پر ظلم نہیں۔اگر یہ ظلم نہیں تو سمجھ لیجئے کہ پہلی بات بھی ظلم نہیں بلکہ اسے ظلم سمجھنا ہی ظلم ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو ظلم کہنا ظلم عظیم ہے۔عورت کی دیت کا نصف ہونا اگر ظلم ہے تو میراث میں اس کے حصہ کا مرد کے حصے سے نصف ہونا بھی ظلم ہوگا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے "وَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" فرما کر عورت کا حصہ مرد کے حصے سے نصف مقرر فرمایا ہے۔یہاں بھی آپ کہہ دیجئے کہ عورت کا کیا قصور ہے۔صرف یہی کہ وہ مرد کی ماں ہے اور اس کے پاؤں تلے اس کی جنت ہے۔

افسوس! احکام الٰہیہ کی حکمتوں کو نظر انداز کر کے اسلامی احکام کے خلاف لوگوں کے جذبات کو ابھارنے کے لئے ایسی باتیں کہی جا رہی ہیں۔

کتاب عمرو بن حزم کی حدیث پر کلام

حدیث عمرو بن حزم سند کے لحاظ سے صحیح نہیں۔اس کے ناقلین نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔امام نسائی نے اس کا حسب ذیل عنوان قائم کیا "ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول و اختلاف الناقلین لہٗ" امام نسائی نے اس کے ناقلین و رواۃ کا ایک دوسرے پر اختلاف بھی نقل کیا اور الفاظ متن میں بھی ایک دوسرے کا اختلاف بیان کیا۔(دیکھئے سنن نسائی جلد دوم ص ۲۱۸) علاوہ ازیں اس کے بعض رواۃ ضعیف اور مجروح ہیں ان کے آخر سند میں ہونے کی وجہ سے سب اسانید ضعیف قرار پاتی ہیں۔غالباً اسی لئے ابن حزم نے اس کی صحت کا انکار کیا دیکھئے (المحلی ص ۴۰۵ ج ۱۰)

البتہ تلقی بالقبول کے باعث فی الجملہ متن حدیث کی شہرت اشبہ بالتواتر ہوگئی اور اسی تلقی بالقبول کی بناء پر اسے صحیح کہا گیا۔

اس مکتوب میں دیة المرأة علی النصف من دیة الرجل کا جملہ بھی یقیناً موجود ہے جسے امام موفق الدین ابن قدامہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف المغنی اور امام ابوالقاسم الرافعی اپنی تصنیف شہیر شرح الوجیز، ان کے علاوہ علامہ منصور بن یونس البہوتی متوفی ۱۰۱۵ھ اپنی تصنیف جلیل شرح منتہی الارادات ص ۳۰۷ ج ۳ میں تینوں عمرو بن حزم کی کتاب کے حوالے سے اس جملہ کو نقل کر رہے ہیں۔ علامہ البہوتی نے ایک دوسری تصنیف "الروض المرجع" ص ۳۳۹ میں بھی بحوالہ کتاب عمرو بن حزم اس جملہ "دیة المرأة علی النصف من دیة الرجل" کو نقل فرمایا۔ حضرت عمرو بن حزم ﷺ کی کتاب مذکور میں اس جملہ کے موجود ہونے پر یہ امر بھی شاہد عادل ہے کہ امام حاکم نے مستدرک میں اسی کتاب عمرو بن حزم کی روایت کے ضمن میں فرمایا

هذا حدیث کبیر مفسر فی هذا الباب یشهد له امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز (مستدرک ص ۳۹۷ ج ۱)

یہ حدیث کبیر ہے جو اس باب میں مفسر ہے اس کے لئے امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز شہادت دیتے ہیں۔

یہی امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز جو حدیث عمر بن حزم کے شاہد ہیں خلیفہ عادل ہیں۔ خلفاءِ راشدین میں انہیں شامل کیا گیا ہے۔ اپنے عہدِ خلافت میں ایک حکمنامہ جاری فرماتے ہیں جسے امام محمد بن نصر مروزی متوفی ۲۹۴ھ کی کتاب "السنة" کی حسب ذیل روایت میں ملاحظہ فرمایئے۔ ہم سے حدیث بیان کی اسحٰق نے انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو اسامہ نے وہ محمد بن عمرو بن علقمہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دیات کے بارے میں ایک حکم نامہ لکھا۔ اس حکم نامہ میں یہ ذکر فرمایا رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں دیت سو اونٹ تھی پھر حضرت عمر بن خطاب نے ان کی قیمت لگا کر شہریوں پر ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم مقرر فرمائے اور مسلمان آزاد عورت کی دیت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پچاس اونٹ تھی، حضرت عمر بن خطاب نے ان کی قیمت لگا کر شہریوں پر پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم مقرر فرمائے۔ (انتہی)

تعجب ہے جن لوگوں نے حضرت عمرو بن حزم کی کتاب دیکھی تک نہیں صرف اس کے مختلف حصوں کی کچھ روایات ان کے پیش نظر ہیں وہ تو عورت کی نصف دیت کو کتاب عمرو بن حزم کے خلاف کہہ رہے ہیں اور امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز جو بنفسِ نفیس اس خط کے شاہد ہیں اپنے حکمنامہ میں عہد رسالت میں سو اونٹ کی دیة کا ذکر فرما کر صاف لفظوں میں تحریر فرما رہے ہیں کہ آزاد مسلمان عورت کی دیت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں پچاس اونٹ تھی۔

عورت کی نصف دیت اگر کتاب عمرو بن حزم کے خلاف ہوتی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کس طرح اپنے حکمنامے میں لکھوا سکتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک ہمیں عورت کی دیت پچاس اونٹ تھی۔ ثابت ہوا کہ عورت کی نصف دیة کا ذکر عمرو بن حزم کی اس کتاب میں موجود تھا جو رسول اللہ ﷺ نے لکھوائی تھی۔ کسی محدث کا اس جملے کو اپنی کتاب میں درج نہ کرنا اس بناء پر نہیں کہ یہ عمرو بن حزم کی حدیث کا جزو نہیں بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس طویل حدیث کے متعدد حصے مختلف اسانید کے ساتھ مروی ہوئے۔ ہر سند

میں حدیث کا کوئی نہ کوئی حصہ رہ گیا۔ کتب احادیث کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ مصنف عبدالرزاق، موطا امام مالک، سنن نسائی وغیرہ سب میں اس حدیث کی روایات اسی نوعیت سے پائی جاتی ہیں۔ اگر فی الواقع یہ جملہ کتاب عمرو بن حزم میں نہ ہوتا تو سیدنا فاروقِ اعظم عمر بن خطاب ﷺ عورت کی دیۃ میں سو اونٹ کی بجائے ہرگز پچاس اونٹ کی قیمت نہ لگاتے۔ نہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورت کی دیت کے پچاس اونٹ ہونے کا ذکر فرماتے نہ موفق ابن قدامہ اس کو درج کرتے، نہ رافعی کبیر اس کو اپنی تصنیف میں درج فرماتے، نہ علامہ منصور بن یونس البہوتی اپنی کتابوں میں بحوالہ کتاب عمرو بن حزم اسے وارد کرتے۔ اگر کسی کا یہ گمان ہے کہ ان اجلّہ ائمہ کرام اور علماء اعلام نے جن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز ہی نہیں بلکہ سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب ﷺ بھی شامل ہیں عورت کی نصف دیت کو رسول اللہ ﷺ کے لکھوائے ہوئے خط اور عہد رسالت کی طرف خلاف واقع اپنی طرف سے منسوب کر دیا تو کیا وہ کہہ سکے گا کہ معاذاللہ یہ سب حضرات

مَنْ كَذِبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

کے مصداق ہو کر نا ری ہیں۔ "نَعُوْذُ بِاللّٰهِ ثُمَّ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ"

علامہ ابن حجر کا تلخیص حبیر میں یہ کہنا کہ جملہ "دية المرأة على النصف من دية الرجل" عمرو بن حزم کی کتاب میں ثابت نہیں قلت تدبر پر مبنی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تلخیص حبیر علامہ ابن حجر کی انہیں تصانیف میں شامل ہے جن پر انہوں نے نظر ثانی نہیں فرمائی۔ بقول ان کے ان کی ایسی کتابوں کا عدد کثیر ہے لیکن ان کے مندرجات کمزور اور نا قابلِ اعتماد ہیں۔ جیسا کہ علامہ سخاوی نے "الضوء اللامع" میں ابن حجر کا یہ مقولہ نقل کیا ہے اور مقدمہ فتح الباری کے سرورق پر بھی ان کا یہ مقولہ درج ہے۔ کاش علامہ ابن حجر کو نظر ثانی کا موقع ملتا تو وہ غور و فکر کے بعد ضرور اپنے اس قول سے رجوع فرما لیتے۔

"السنۃ" سے ہماری منقولہ حدیث میں تین باتیں بالصراحۃ مذکور ہیں۔

(۱) حضرت عمر بن عبدالعزیز کا اپنے حکم نامہ میں عورت کی نصف دیت لکھوانا

(۲) حضرت عمر ﷺ کا مرد کی دیت میں سو اونٹ اور عورت کی دیت میں پچاس اونٹ کے حساب سے قیمت لگانا۔

(۳) رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں مرد کی دیت کا سو اونٹ اور عورت کی دیت کا پچاس اونٹ ہونا۔

یہ حدیث اپنی سند کے لحاظ سے ایسی قوی صحیح اور ثابت ہے کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

(۱) اس کے پہلے راوی امام محمد بن نصر مروزی (مولود ۲۰۲ھ، متوفی ۲۹۴ھ) ہیں جن کے متعلق حاکم کا قول ہے کہ وہ اپنے زمانے میں بلا اختلاف عُلماءِ حدیث کے امام ہیں۔ صاحب محلی ابو محمد ابن حزم ظاہری نے اُن کی تعریف کرتے ہوئے کہا، صحابہ کے بعد علم حدیث میں محمد بن نصر مروزی جیسا اتم ہمارے علم میں کوئی نہیں۔ تقریب التہذیب ص ۲۳۵ میں ہے۔

محمد بن نصر مروزی ثقہ ہیں، حافظ ہیں، امام ہیں (علم کا) پہاڑ ہیں۔

(۲) دوسرے راوی اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ ائمہ اعلام میں سے ایک ہیں، ثقہ ہیں، حجۃ ہیں۔ (میزان الاعتدال ص ۱۸۲، ۱۸۳، ج۱)

(۳) تیسرے راوی ابو اسامہ حماد بن اسامہ بن زید متوفی ۲۰۱ھ ثقہ ہیں۔ اثبت ہیں اور نہایت سچے ہیں۔ ابن سعد نے کہا ثقہ ہیں کثیر الحدیث ہیں۔

(۴) چوتھے راوی محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص اللیثی متوفی ۱۴۵ھ ہیں۔ (تہذیب التہذیب) نسائی نے کہا کہ ان میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ یہ ثقہ ہیں۔ یحییٰ بن معین نے کہا ثقہ ہیں۔ علی بن المدینی ابوحاتم الرازی نے کہا سب نے ان کی توثیق کی۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا۔ مالک نے ان سے مؤطا میں روایت کی۔ (میزان الاعتدال ص ۲۷۶، ج۱)

تقریب التہذیب اور تہذیب میں بھی ان رواۃ کی تعدیل وتوثیق منقول ہے۔ ہماری اس تحقیق کے بعد حدیث عمرو بن حزم سے متعلقہ شکوک وشبہات کا پوری طرح استیصال ہوگیا اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی آفتاب سے زیادہ روشن ہوکر سامنے آگئی کہ عہد رسالت سے لیکر عہد تابعین واتباع تابعین زمانہ خیر القرون تک عورت کی نصف دیت میں کسی کا اختلاف نہیں پایا گیا۔ اسی کو اجماع کہتے ہیں۔

"دِیَۃٌ مُسَلَّمَۃٌ کا ترجمہ دِیَۃٌ مَّعْرُوْفَۃٌ" بھی کیا جارہا ہے۔ محض اس لئے کہ اس ترجمہ کرنے والوں کے خیال میں دستور یہی تھا کہ مرد ہو یا عورت مقدارِ دیت سب کے لئے ایک ہی تھی لیکن اس کے برخلاف ہم ثابت کرچکے ہیں کہ عہد رسالت میں یہ دستور نہ تھا بلکہ دستور یہ تھا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی تھی۔ رہا دورِ جاہلیت تو اس میں بھی مقدار دیۃ میں یہی دستور تھا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف تھی۔ دیکھئے المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ص ۵۹۳ ج ۵، جس میں جاہلیت کا دستور صراحۃً مذکور ہے۔ "وتکون دیۃ المرأۃ نصف دیۃ الرجل" کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوتی تھی۔ انتہیٰ۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی قبیلہ نے مرد کی دیت دس اونٹ مقرر کی تو اس کے دستور میں عورت کی دیت پانچ اونٹ تھی۔ کسی نے مرد کی دیۃ سو اونٹ مقرر کیے تو اس کے مطابق عورت کی دیۃ پچاس اونٹ تھی۔ (علیٰ ھذا القیاس)

بہرصورت مقدار دیت میں عہد جاہلیت کا دستور یہی تھا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف تھی۔

مختصر یہ کہ لفظ "مُسَلَّمَۃٌ" کے ترجمہ میں تحریف کے باوجود بھی قائلین مساوات کا دعویٰ ثابت نہ ہوا۔

حدیث "المسلمون تتکافاء دماؤھم" کا صحیح مفہوم

عورت کی مقدار دیت کو مرد کی دیت کے برابر ثابت کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث مرفوع کو بڑے شدومد سے پیش کیا جارہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مسلمانوں کے خون برابر ہیں" بیشک سب مسلمانوں کے خون مرد ہوں یا عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہیں لیکن مرد وعورت کی دیت کا مقدار میں برابر ہونا اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا نہ اس مقصد کے لئے حضور

نے یہ حدیث فرمائی۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں معزز اور طاقتور قبیلے کے کسی آدمی کو کمزور قبیلے کا کوئی شخص قتل کر دیتا تو وہ اپنے ایک مقتول کے بدلے میں کمزور قبیلے کے کئی آدمیوں کو قصاص میں قتل کرتا تھا۔ اپنے قبیلے کی مقتولہ عورت کے بدلے میں خواہ اس کی قاتلہ دوسرے کمزور قبیلے کی عورت ہی کیوں نہ ہو کمزور قاتلہ کے قبیلے کے مرد کو قتل کر دیتا تھا۔ اپنے غلام کے بدلے میں کمزور قبیلے کے آزاد کو قتل کرتا تھا۔ بعض قبیلوں نے اپنے مقتولین کی دیۃ اپنی طرف سے مقرر کر دی تھی۔ بایں طور کہ وہ اپنے ایک مقتول کے بدلے میں خواہ وہ مرد ہو یا عورت دو دیتیں بلکہ بعض اوقات دو سے بھی زیادہ قاتل کے قبیلے سے وصول کرتے تھے۔ طاقتور قبیلہ اپنے مقتول کے بدلے میں کمزور قبیلے سے قصاص ہی لیتا لیکن اگر اس طاقتور قبیلے کا کوئی شخص کمزور قبیلے کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو قصاص کی بجائے ساٹھ وسق کھجوریں بطور دیت اسے دینے پر اکتفا کرتا۔ (المفصل ص ۵۹۳، ج ۵)

اسی حدیث کے تحت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں امام بغوی کی شرح السنۃ سے اس حدیث کے معنی اس طرح نقل کئے امام بغوی نے فرمایا کہ اس حدیث (تتکافاء) سے رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ سب مسلمانوں کے خون قصاص میں برابر ہیں۔ مسلمانوں میں سے رزیل کے بدلے شریف اور صغیر کے بدلے کبیر اور جاہل کے بدلے عالم، مرد کے بدلے عورت سے قصاص لیا جائے گا۔ اگرچہ مقتول شریف یا عالم ہو اور قاتل رزیل یا جاہل ہو۔ بہر صورت قاتل ہی سے قصاص لیا جائیگا۔ اسلام میں قاتل کے علاوہ کسی دوسرے کو قتل نہ کیا جائے گا جیسا کہ اہل جاہلیت کرتے تھے کہ وہ کسی شریف کے بدلے اس کے رزیل قاتل سے قصاص لینے پر قطعاً راضی نہ ہوتے تھے جب تک کہ قاتل کے قبیلے سے متعدد افراد کو قتل نہ کر دیتے۔ (المرقاۃ ص ۱۶ ج ۴) یعنی دورِ جاہلیت میں قصاص میں لوگوں کے خون برابر نہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے "المسلمون تتکافاء دماء ھم" فرما کر قصاص میں سب مسلمانوں کا خون برابر قرار دے دیا۔ دیت میں بھی مسلمانوں کے خون کی مساوات اس طرح ہے کہ اسلام نے اس بات کو جائز قرار نہیں دیا کہ کسی مسلمان کے خون کی ایک دیت ادا کر دی جائے اور کسی کے خون کے بدلے دو یا اس سے زیادہ دیتیں وصول کر لی جائیں۔

سب مسلمان مردوں کی دیت کی مقدار باہم مساوی ہے اور تمام مسلمان عورتوں کی مقدار دیت ان کے آپس میں برابر ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے حجۃ اللہ البالغہ سے بھی نقل کر چکے ہیں۔

"فکل امرأۃ مکافئۃ لکل امرأۃ ولذالک کانت دیات النساء واحدۃ"

تمام عورتیں آپس میں ایک دوسری کے مساوی ہیں۔ اسی لیے عورتوں کی دیت ایک ہے (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۲)

المعتصر من المختصر اشعۃ اللمعات ومرقاۃ کی سب عبارات کا یہی مفہوم ہے۔

مرد و عورت کی مقدار دیت کا مساوی ہونا ہرگز ان سے مفہوم نہیں ہوتا جس کی روشن دلیل یہ ہے کہ ملا علی قاری نے بھی "مرقاۃ"

میں عورت کی نصف دیت کا اجماعی قول ذکر کیا۔ وہ فرماتے ہیں وفی کتاب الرحمۃ واجمعوا علی ان دیۃ المرأۃ المسلمۃ فی نفسها علی النصف من دیۃ الرجل الحر المسلم انتہی۔

یعنی کتاب الرحمۃ میں ہے اس بات پر اجماع ہے کہ آزاد مسلمان عورت کی جان کی دیت مسلمان آزاد مرد کی دیت سے نصف ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

''وقال الشمنی والدیۃ للمرأۃ نصف ماللرجل فی النفس اومادونها''

شمنی نے کہا کہ جان یا اس کے ماسوا میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۲۸، ج ۴، طبع مصر)

اسی طرح شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوۃ کی شرح لمعات میں شکم مادر کے بچے کی دیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''ان سقط حیاثم مات فیجب فیہ کمال دیۃ الکبیر فان کان ذکرا وجبت مائۃ من البعیر وان کان انثیٰ فخمسون لان دیۃ الانثیٰ نصف دیۃ الرجل'' کہ اگر وہ بچہ ساقط ہو کر مر گیا تو اس میں بڑے آدمی کی پوری دیت واجب ہے اگر وہ بچہ لڑکا ہے تو سو اونٹ دیت واجب ہو گی اور اگر لڑکی ہے تو پچاس اونٹ اس لئے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ (حاشیہ نمبر ۹، مشکوۃ ص ۳۰۲)

حضرت عمرو بن شعیب اور حضرت علی کی حدیثیں ہمارے خلاف نہیں

حضرت عمرو بن شعیب اور حضرت علی کی حدیثوں کو ہمارے خلاف کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں مرد و عورت کے زخموں کی دیت کا اختلاف وارد ہے۔ جان کی دیت کے بارے میں کوئی اختلاف ان میں مذکور نہیں۔ ہمارا کلام صرف جان کی دیت میں ہے۔ زخموں کی دیت سے اس کا تعلق نہیں۔ زخموں کی دیت کے بارے میں مذاہب علماء مختلف ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ دیۃ جراحات کے بارے میں آثار میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن جان کی دیت میں کوئی مختلف روایت وارد نہیں ہوئی۔ اسی لئے اس میں مذاہب علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا گیا۔ عمرو بن شعیب اور حضرت علی کی یہ دونوں حدیثیں بھی اس مسئلہ میں ہماری مؤید ہیں۔

دیکھئے پہلی حدیث میں ''حتی الثلث'' کے الفاظ اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ عورت کی دیت کا مرد کی دیت کے مساوی ہونا ثلث تک ہے۔ اس کے بعد یہ تساوی باقی نہیں رہتی۔ تساوی کے بعد عورت کی دیۃ نصف ہی رہ جاتی ہے۔ اس طرح دوسری حدیث بھی ہمارے مؤقف کی دلیل ہے کیوں کہ اس میں تمام زخموں میں عورت کی دیت کا مرد کے مساوی ہونا مذکور ہے۔ اگر جان میں بھی تساوی ہوتی تو مطلقاً اس کی دیت کو مرد کی دیۃ کے مساوی فرما دیا جاتا۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کی رو سے بھی جان کی دیت میں عورت مرد کے مساوی نہیں۔

مراسیل

علامہ ابن عبدالبر حدیث مرسل کے بارے میں جمہور علمائے محدثین کا مذہب نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فمر اسیل سعید بن المسیب و محمد بن سیرین و ابراھیم النخعی عند ھم صحاح

سعید بن المسیب، محمد بن سیرین اور ابراہیم نخعی کے مراسیل محدثین کے نزدیک صحیح ہیں۔(التمہید شرح الموطا جلد اوّل ص ۳۰)

اسی طرح شعبی کے مراسل بھی سب محدثین کے نزدیک بالاتفاق صحیح ہیں۔

امام ذہبی نے فرمایا "**قال احمد العجل مرسل الشعبی صحیح لا یکاد یرسل الاصحیحا**" (ذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۱) شعبی کی مرسل الشعبی صحیح ہے وہ صرف صحیح کا ارسال کرتے ہیں غیر صحیح کا ارسال نہیں کرتے۔علامہ ذہبی نے آگے چل کر فرمایا کہ شعبی نے پانچ سو صحابہ کو پایا ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی رجم کے بار میں شعبی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی حدیث روایت کی صحیح بخاری میں ہے

حدثنا آدم قال حدثنا شعبة قال حدثنا سلمة بن کهیل قال سمعت الشعبی یحدث عن علی حین رجم المرأة یوم الجمعة قال رجمتها بسنة رسول الله ﷺ

یعنی شعبی حضرت علی سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن جب ایک عورت کو حضرت علی نے رجم کیا تو فرمایا میں نے اس عورت کو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق رجم کیا ہے۔(صحیح بخاری جلد دوم ص ۱۰۰۶)

اگر حضرت علی سے امام شعبی کی روایت صحیح نہ ہوتی تو امام بخاری اسے اپنی جامع میں ہرگز رداخل نہ کرتے۔

امام ابوداؤد سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ شعبی کی مرسل میرے نزدیک ابراہیم نخعی کی مرسل سے زیادہ محبوب ہے۔(تہذیب التہذیب جلد ۵، ص ۶۷) اور ابن معین کا قول ہے کہ میرے نزدیک ابراہیم نخعی کی مراسیل شعبی کی مراسیل سے زیادہ محبوب ہیں (تدریب الراوی شرح تقریب نواوی ص ۱۲۴)

ابوداؤد اور ابن معین دونوں کے قول سے ثابت ہوا کہ شعبی اور نخعی دونوں کی مراسیل صحت وثبوت میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔

اس بیان سے عورت کی نصف دیت کے ثبوت میں حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت انصاری ﷺ سے امام شعبی وابراہیم نخعی کی مراسیل جو ہم نے پیش کیں ائمہ محدثین کی تصریحات کی روشنی میں ان کا صحیح ومقبول ہونا ثابت ہو گیا۔اس کے بعد انہیں مردود کہنا قول مردود ہے۔

ضروری تنبیہ

ہم بتا چکے ہیں کہ قرآن میں لفظ دیت بیان مقدار کے لحاظ سے مجمل ہے۔امام ابوالنصر مروزی اپنی تصنیف جلیل "السنۃ" میں

فرماتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے "وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا" کے ضمن میں لفظ دیت کاذکرفرمایااوربیان مقدار میں اسے مجمل اورمبہم رکھااس کی تفسیر بذریعہ وحی رسول اللہ ﷺ کوتعلیم فرمائی۔حضورﷺ نے مسلمان مرد کی دیت سواونٹ مقرر فرمادی۔ (السنۃ ص ۶۰)

معلوم ہوا کہ مقدار دیت کی تعین صرف وحی الٰہی سے ہے عقل اوررائے کواس میں کوئی دخل نہیں اورعلمائے محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ اگرایسی کوئی بات رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کئے بغیرصحابی بیان کردے تو وہ بات صحابی کی نہ ہوگی بلکہ حضورﷺ کافرمان قرار پائے گی۔ایسی موقوف حدیث حکماً مرفوع ہوتی ہے۔(دیکھئے شرح نخبہ طبع اصح المطابع کراچی ص ۸۲،۸۳،تدریب الراوی ص ۱۱۴)

اس تحقیق کے بعد یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوگئی کہ امام شعبی اورامام نخعی کی روایات منقولہ سابقہ میں حضرت عمر بن خطاب،حضرت علی،حضرت عبداللہ بن مسعوداورحضرت زید بن ثابت انصاری ﷺ سے جوعوت کی نصف دیت مروی ہےوہ ان صحابہ کرام کاقول نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کافرمان ہےاوریہ روایات منقولہ حکماًمرفوع ہیں۔

قائلین مساوات برملا کہہ رہے ہیں کہ عورت کی نصف دیت کے ثبوت میں اگرایک صحیح حدیث بھی ہمیں مل جائےتو ہم اپنے موقف سے دستبردار ہوجائیں گے۔اگر واقعی وہ اپنے اس قول میں مخلص ہیں تو اب انہیں بلا تامل تسلیم کرلینا چاہیے کہ واقعی عورت کی دیت نصف ہے۔

عورت کی نصف دیت کے ثبوت میں احادیث منقولہ میں سے اگر ان کے زعم میں کوئی حدیث ضعیف بھی ہوتو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ احادیث صحیح سے ان کی تائیدوتقویت کے بعدوہ ضعیف نہیں رہتی پھر یہ کہ تعدد طرق سے ضعیف حدیث بھی قوی ہوجاتی ہے۔ (حاشیہ ملاعلی قاری برشرح نخبۃ الفکرمطبوعہ استنبول ص ۱۱۲)

علاوہ ازیں حدیث ضعیف کواگر تلقی بالقبول حاصل ہوجائےتو اس کے متعلق امام سخاوی فتح المغیث میں فرماتے ہیں "مذہب صحیح کے مطابق وہ معمول بہ ہوتی ہے کہ وہ حدیث متواتر کے درجہ میں آجاتی ہے"(فتح المغیث جلداوّل ص ۲۲۸)

ایسی صورت میں ضعف کا بہانہ بھی عذر لنگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ایسی بے شمار ضعیف حدیثیں موجود ہیں جوتعاملِ امت کی وجہ سے صحیح اورمقبول ہیں۔مثال کے لئے میں امام ترمذی کی صرف ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ "جس نے بغیر کسی عذر کے دونمازیں جمع کیں وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں داخل ہوگیا" امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کوضعیف قراردینے کے باوجودفرمایا"والعمل علٰی ھذا عند اھل العلم"(سنن ترمذی جلداوّل ص ۲۶)

معلوم ہوا کہ ضعیف حدیث تعاملِ امت کے باعث ضعیف نہیں رہتی بلکہ وہ مقبول اورمعمول بہ ہوجاتی ہے۔

عورت کی نصف دیت پر فقہاءِ امت کا اجماع ھے

عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ کے دور میں عورت کی نصف دیت پر صحابہ کرام اور علماء کا تعامل روایاتِ منقولہ کے ضمن میں وضاحت کے ساتھ ہم پیش کر چکے ہیں جس پر کسی صحابی یا تابعی نے انکار نہیں کیا۔ یہ صحابہ کرام اور تابعین عظیم کا اجماع سکوتی ہے۔ اتباع تابعین سے لیکر "الاصم" اور "ابن علیہ" (جن کے متعلق ہم آگے چل کر کلام کریں گے) کے سوا کسی کا اختلاف ہمارے سامنے نہیں آیا۔ آئمہ اربعہ اور ان کے سب متبعین بلکہ تمام محدثین عورت کی نصف دیت پر متفق ہیں۔ امام فخر الدین رازی اور شاہ ولی اللہ کے کلام میں نصف دیت کے قائلین کو "اکثر فقہا" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے یہ غلط تاثر دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ یہ اکثر کا قول ہے اس پر اجماع نہیں۔

حالانکہ "اکثر فقہا" کے الفاظ کا تعلق دیت اطراف وجراحات سے ہے کیونکہ بعض فقہا اطراف وجراحات میں عورت کی دیت کو مرد کی دیت کے مساوی کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ دیت مرد کی دیت کا تہائی حصہ ہے البتہ اکثر فقہاء کا قول یہی ہے کہ وہ نصف ہے جب کہ جان کی دیت میں عورت کی دیت کا مرد کی دیت سے نصف ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ "اکثر فقہا" کے الفاظ جراحات کی نصف دیت کے بارے میں ہیں۔ جان کی دیت کا نصف ہونا محض اکثر کا قول نہیں بلکہ سب کا اتفاقی اور اجماعی مذہب ہے اور خود امام رازی اور شاہ ولی اللہ بھی عورت کی دیت کو مرد کی دیت سے اقل مانتے ہیں جیسا کہ ہم ان کی عبارات کے اقتباسات اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔

بالفرض اگر "اکثر فقہاء" کے الفاظ کو عورت کی جان کی دیت سے متعلق مان لیا جائے تو یہ ان حضرات کے ہاں صرف "الاصم" اور "ابن عُلیہ" کے لحاظ سے استعمال کئے گئے اگر ان کے علاوہ کسی اور کا بھی اختلاف ہوتا تو اس کا ذکر آجاتا لیکن ان دو کے سوا کسی نے کوئی تیسرا نام ذکر نہیں کیا۔ کل میں سے اگر دو بھی الگ ہو جائیں تو بقیہ کو اکثر ہی کہا جائے گا۔

عورت کی نصف دیت کے خلاف ابوبکر الاصم اور ابن عُلیہ کا قول کوئی وقعت نہیں رکھتا کہ یہ دونوں استاد شاگرد معتزلی بلکہ جہمی اور گمراہ ہیں۔ دراصل الاصم اور ابن عُلیہ کے الفاظ سے ان دونوں کے بارے میں اشتباہ واقع ہوا ہے۔ فی الواقع اصم بھی دو ہیں اور ابن عُلیہ بھی دو، ایک اصم ابوالعباس ہیں دوسرا اصم ابوبکر، اسی طرح ایک ابن عُلیہ، اسمٰعیل بن عُلیہ ہیں جو ابن عُلیہ کہلانا پسند نہیں کرتے تھے اور دوسرا ابن عُلیہ ابراہیم بن اسماعیل بن عُلیہ۔

(۱) ابوالعباس اصم امام ہیں۔ ثقہ ہیں اور مشرق کے عظیم محدث مولود ۲۴۷ھ متوفی ۳۴۶ھ (تذکرۃ الحفاظ ص ۸۶۰، ج ۳)

(۲) اسی طرح اسمٰعیل بن علیہ بھی اجلۂ محدثین میں ہیں جن کے متعلق امام ذہبی نے لکھا "حافظ ہیں" یعنی اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں ان کے بارے میں شعبہ کا قول ہے کہ یہ سید المحدثین تھے (ان کی کنیت ابوبشر ہے) ان کی کوئی تصنیف وتالیف نہیں پائی جاتی، زیاد بن ایوب نے کہا "میں نے اسماعیل بن علیہ کی کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی" ان کی ولادت ۱۱۰ھ اور وفات ۱۹۳ھ میں ہوئی (تذکرہ الحفاظ

جلد اوّل ص ۳۲۳)

(۳) ابوبکر اصم کے متعلق علامہ حافظ ابن حجر نے فرمایا ''ابوبکر اصم کا نام عبدالرحمٰن بن کیسان ہے۔ یہ معتزلی تھا۔ اصول میں ''مقالات'' اس کی تصنیف ہے۔ اس کے بعد علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ عبدالجبار ہمدانی معتزلی نے ابوبکر اصم کو اپنے طبقات معتزلہ میں ذکر کیا اور اس کے متعلق کہا کہ ''وہ نہایت فصیح متقی اور فقیہہ تھا۔ اس کی ایک عجیب تفسیر ہے۔'' اس کے ساتھ ہی فرمایا ''ومن تلامذته ابراهیم بن اسماعیل بن علیه'' یعنی ابوبکر اصم کے شاگردوں میں سے ابراہیم بن اسمٰعیل بن علیہ تھا۔ (لسان المیزان، جلد سوم، ص ۴۲۷)

(۴) ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مقسم ابواسحٰق البصری الاسدی، یہ ابن عُلیہ کے نام سے مشہور تھا ان متکلمین میں سے تھا جو خلق قرآن کے قائل ہیں (یعنی معتزلہ) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس کے مناظر جاری رہتے تھے۔ یہ ابوبکر الاصم کے غلاموں یعنی اس کے شاگردوں میں سے تھا۔ امام شافعی نے فرمایا، ابن علیہ گمراہ ہے۔ موضع باب السؤال میں بیٹھ کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا، اہلسنّت کے نزدیک اس کے مذاہب مہجور ہیں۔ اس کا قول اس قابل ہی نہیں کہ اسے خلاف سے تعبیر کیا جائے۔ ابن یونس نے تاریخ الغرباء میں کہا کہ فقہ میں اس کی کئی تصنیفات ہیں جو جھگڑے کے مشابہ ہیں۔ ابوالحسن العجلی نے کہا کہ ابراہیم بن علیہ جہمی خبیث ملعون تھا (ملخص از تاریخ بغداد للخطیب جلد نمبر ۶، ص ۲۰ تا ۲۳ لسان المیزان ابن حجر جلد اوّل ص ۳۴، ۳۵ میزان الاعتدال جلد اوّل ص ۱۱)

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ ابوبکر اصم اور ابراہیم بن علیہ دونوں معتزلی اور گمراہ تھے۔ دونوں صاحب تصانیف ہیں۔ فقہ، تفسیر اور اصول میں انہیں دونوں کی کتابیں پائی جاتی ہیں۔ اس کے برخلاف سید المحدثین اسمٰعیل بن علیہ کی کوئی تصنیف نہیں جسے ان کے کسی قول کا ماخذ قرار دیا جا سکے۔ پھر یہ کہ اسمٰعیل بن علیہ جیسے صحیح الاعتقاد متقی عالمِ دین سے یہ توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ وہ اجماع صحابہ و تابعین کے خلاف کوئی راہ اختیار کریں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ کہ ابوبکر الاصم معتزلی ہے اور ابن علیہ اس کا شاگرد ہے تو اس کے بعد اس بات میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا کہ یہ ابن علیہ نہیں بلکہ ابراہیم ابن علیہ ہے جو اپنے استاذ ابوبکر الاصم کی طرح معتزلی بلکہ جہمی ہے۔ اس لیے عورت کی نصف دیت کے خلاف دونوں میں سے ایک کا قول بھی اجماع کو مضر نہیں بلکہ یہ دونوں خرق اجماع کے مرتکب ہو کر خود مجرم قرار پائیں گے۔

یہ صحیح ہے کہ بعض معتزلہ ہمارے فقہاء میں شمار کئے گئے اور ان کے اقوال کو بھی اقوال فقہا میں شامل کیا گیا لیکن ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ جمہور فقہاء کے خلاف کسی معتزلی کا قول اہل حق نے قبول کیا ہو چہ جائیکہ اجماع فقہا کے خلاف معتزلی اور جہمی کا قول تسلیم کر لیا جائے۔

اب اجماع فقہاء و علماء کے ثبوت میں حسب ذیل عبارات ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے تفسیری عبارات نقل کی جاتی ہیں۔

فقہ مالکیہ و شافعیہ اور حنبلیہ!

(۱) واما دية المرأة فانهم اتفقوا على انها على النصف من دية الرجل

عورت کی دیت کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ (بدایۃ المجتہد جلد اوّل ص ۴۴۹)

(۲) ودية المرأة على النصف من دية الرجل

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔(الاحکام السلطانیہ قاضی ابویعلی حنبلی ص ۲۵۸)

(۳) (ودية المرأة) الحرة المسلمة (على النصف من دية الرجل، الحر المسلم)

یعنی آزاد مسلمان عورت کی دیت آزاد مسلمان مرد کی دیت سے نصف ہے (الفواکہ الاوانی جلد ۲ ص ۲۰۴) على رسالة ابن ابى زيد القيروانى المالكى للشيخ احمد بن غنيم سالم بن مهنا النضراوى المالكى)

(۴) فدية الحرة المسلمة من الابل خمسون اھ

مسلمان آزاد عورت کی دیت پچاس اونٹ ہے۔(الشرح الصغیر جلد ۴ ص ۳۷۶، ۳۷۷)

(۵) والمرأة والخنثى كنصف رجل نفسا وجرحا اھ

عورت اور خنثیٰ دونوں کی دیت زخم اور جان دونوں میں مرد کی دیت کا نصف ہے۔(منہاج للنواوی الشافعی جلد ۴ ص ۵۶، ۵۷)

(۶) واجمعوا على ان دية المرأة الحرة المسلمة فى نفسها على النصف من دية الرجل اھ

علماء کا اجماع ہے کہ آزاد مسلمان عورت کی جان کی دیت آزاد مسلمان مرد کی دیت کا نصف ہے۔(المیزان الکبریٰ للشعرانی ۱۳۸، ج ۲ رحمة الامة فى اختلاف الائمه جلد ۲ ص ۱۴۰)

(۷) (ودية انثى بصفته) اى حرة مسلمة (نصف ديته) حكاه ابن المنذر و ابن عبدالبر اجماعاً وفى كتاب عمرو بن حزم دية المرأة على النصف من دية الرجل

مسلمان آزاد عورت کی دیت مسلمان آزاد مرد کی دیت سے نصف ہے۔ ابن المنذر اور ابن عبدالبر نے اس پر اجماع کیا اور عمرو بن حزم کی کتاب میں ہے۔ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔(شرح منتہی الارادات جلد ۳ ص ۳۰۷)

(۸) ومن المتفق عليه ان دية المرأة على النصف من دية الرجل

اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔(التشریع الجنائی الاسلامی جلد اوّل ص ۶۶۹ عبدالقادر عودہ)

اجماع

اجماع پر تفصیلی کلام کرنے کا موقع نہیں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اجماع حجت شرعیہ ہے۔صحابہ کا اجماع قولی، حدیث متواتر کی طرح ایسا قطعی ہے کہ اس کے انکار کو علماء نے کفر قرار دیا۔اس کے بعد صحابہ کا اجماع سکوتی ہے جس میں بعض صحابہ کی نص موجود ہو اور بعض کا سکوت۔یہ بھی قطعی ہے لیکن ایسا قطعی نہیں جس کا منکر کافر قرار پائے۔اس کے انکار کرنے والے کو علماء نے ضال یعنی گمراہ قرار دیا ہے۔(دیکھیئے نورالانوار ص ۲۲۶،۲۲۷،حاشیہ قمر الا قمار ۲)(مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تلویح توضیح جلد ۲)

ایک شبہ کا ازالہ

قائلین مساوات کا ایک بنیادی شبہ باقی رہتا ہے جس کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ بعض روایات وعبارات میں "دیۃ النفس مائۃ من الابل" کے الفاظ وارد ہیں۔ان الفاظ سے وہ یہ سمجھے کہ یہاں لفظ "النفس" کے مفہوم میں عورت اور مرد دونوں شامل ہیں اور اس کے عموم کا مقتضیٰ یہ ہے کہ سو اونٹ دونوں کی دیت قرار پائے۔

اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ لفظ "نفس" کا مفہوم یقیناً مرد اور عورت دونوں کی جان کو شامل ہے لیکن متکلم کی مراد میں مرد کے ساتھ عورت شامل نہیں۔جس کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں عورت کی دیت کا مرد کی دیت سے نصف ہونا وارد ہے۔ضروری نہیں کہ لفظ میں عموم ہو تو متکلم کی مراد میں بھی عموم پایا جائے۔بعض اوقات مفہوم میں عموم ہوتا ہے لیکن متکلم کی مراد میں خصوص پایا جاتا ہے۔خود قرآن مجید میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ o وَ اِذَا نَادَیْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ o (المائدہ آیت ۵۷،۵۸)

اے ایمان والو! ان کافروں اور اہل کتاب کو اپنا دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو کھیل تماشا اور مذاق بنا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو اور جب تم نماز کے لئے ندا کرتے ہو وہ اسے ہنسی کھیل بنا لیتے ہیں۔یہ اس لئے ہے کہ وہ لوگ سمجھتے نہیں۔

اس آیت کریمہ میں لفظ "اَلَّذِیْنَ" کا مفہوم مرد و عورت سب کو شامل اور عام ہے اور "نَادَیْتُمْ" کی ضمیر مرفوع کا مرجع "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" ہے مگر عورتوں کا نماز کیلئے اذان دینا جائز نہیں اس لئے کہ یہ مردوں کے ساتھ خاص ہے۔اس قرینہ کی وجہ سے "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے صرف ایمان والے مرد مراد ہیں۔عورتیں مراد نہیں۔اسی طرح آیات کریمہ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ o وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ o وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ o وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ o اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ o (المؤمنون

آیت ۱تا۶)

بے شک فلاح پائی ان ایمان والوں نے جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرتے ہیں اور جو بیہودہ باتوں سے بچتے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو اپنی پارسائی کی حفاظت کرتے ہیں۔سوائے اپنی منکوحہ بیویوں یا اپنی باندیوں کے تو وہ ان میں ملامت کئے ہوئے نہیں۔

ان آیات مقدسہ میں "اَلْمُؤْمِنُوْنَ" کا مفہوم مرد وعورت سب کو عام ہے لیکن "اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ" کے الفاظ اس بات کا قرینہ ہیں کہ "اَلْمُؤْمِنُوْنَ" عام ہے۔اگر اس میں عورتیں شامل ہوں تو جس طرح مردوں کے لئے ان کی باندیاں حلال ہیں۔عورتوں کے لئے بھی ان کے غلام حلال قرار پائیں گے جو بداہتہً باطل ہے۔رہے وہ احکام جو ان دونوں مقام کی آیتوں میں مردوں اور عورتوں سب کے لئے عام ہیں تو عورتوں کا ان احکام کے ساتھ مکلف ہونا قرآن مجید کی دوسری آیات سے ثابت ہے۔ان آیات کے عموم میں عورتیں شامل نہیں۔

اسی طرح "دیۃ النفس مائۃ من الابل" میں لفظ نفس سے عورت کی جان مراد نہیں۔کیونکہ اس کی دیت نصف ہونے کے بارے میں جو احادیث و آثار وارد ہیں وہ اس بات کا قرینہ ہیں کہ دیۃ النفس کے الفاظ میں لفظ نفس سے صرف مرد کی جان مراد ہے عورت کی جان مراد نہیں۔

الحمدللہ! قائلین مساوات کے تمام شبہات کا ازالہ ہوگیا اور ہم نے کتاب وسنت،اجماع امت،مفسرین ومحدثین اور ائمہ اربعہ اور عامۃ الفقہاء کے حوالہ جات سے ثابت کردیا کہ قتل خطا میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے اگرچہ یہ مسئلہ قیاسی نہیں عقل ورائے سے بالاتر ہے لیکن اس کے باوجود عقل سلیم قیاس صحیح اور اصابت رائے اس کا مؤید ہے جس کی طرف ہم اس سے پہلے اشارہ کرچکے ہیں لیکن قائلین مساوات ایسی کوئی دلیل اور کوئی روایت پیش نہ کرسکے جس میں عورت کی دیت کا مرد کے مساوی ہونا صراحۃً مذکور ہو نہ علماء امت میں سے کسی کا قول ان کی تائید میں سامنے آیا۔

مذاهب اربعه سے خروج جائز نهیں!

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا چونکہ مذاہب اربعہ کے سوا اور کوئی راستہ باقی نہیں رہا اس لئے ان ہی کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہے۔ان سے باہر جانا سواد اعظم سے خروج قرار پائے گا۔(عقد الجید ص ۳۳)عورت کی نصف دیت کے مسئلہ میں مذاہب اربعہ متفق ہیں ان کا انکار بہت بڑی جسارت بلکہ صراط مستقیم سے انحراف ہوگا۔

قائلین مساوات کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اس دور میں عورتیں ملازمت کرکے گھریلو اخراجات کی کفیل ہوتی ہیں لہٰذا ان کی دیت مردوں کی دیت کے برابر ہونی چاہیے۔

حالانکہ یہ امور ایسے نہیں جو دیت کی مقدار پر اثر انداز ہوں۔دیکھئے محنت کرکے بچوں کی روزی کمانے والے ہنرمند اور بے کار بیٹھنے والے بے ہنر کی دیت مساوی ہوتی ہے۔

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جرم کی نوعیت کے پیشِ نظر اگر قاضی سمجھتا ہو کہ اصل دیت کے علاوہ کچھ زائد رقم مقتولہ کے ورثاء کو دلانا مناسب ہے تو اپنی صوابدید کے مطابق ایسا کرنے کا اسے اختیار ہونا چاہیے بشرطیکہ وہ زائد رقم محض بطور تغلیظ ہو اسے دیت قرار نہ دیا جائے جیسا کہ حضرت عثمان غنی ﷺ سے بروایت بیہقی ہم نقل کر چکے ہیں کہ انہوں نے ایک ایسے قاتل سے جس نے کسی عورت کو (غلطی سے) حرم مکہ میں پامال کر کے ہلاک کر دیا تھا آٹھ ہزار درہم مقتولہ کے ورثاء کو دلائے۔ چھ ہزار دیت کے اور دو ہزار بطور تغلیظ اس لئے کہ حرم میں اس سے جرم سرزد ہوا تھا لیکن اس زائد رقم کو دیت قرار دینا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

مرد عورت کی دیت کو برابر کہنے والے اپنے اس غلط نظریے کی تائید کے لئے ائمہ ہدیٰ کی طرف بے بنیاد اقوال منسوب کر رہے ہیں اور بعض فقہاء کی عبارات سے غلط نتائج نکالنے میں مصروف ہیں چنانچہ نوائے وقت ۱۵ نومبر کی اشاعت میں "مرد عورت کی دیت میں برابری" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا جس میں بحوالہ "الاکلیل فی استنباط التنزیل" کہا گیا کہ "کفارے کی برابری سے مقدار دیت کی برابری کا استدلال امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پیش کردہ ہے اور یہ دلیل امام اعظم کی پیش کردہ تھی جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس دلیل اور کتاب کا کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ کتاب امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۱۱ھ) کی طرف منسوب ہے۔ امام سیوطی کے استنباط کو امام ابوحنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) کا پیش کردہ استدلال اور امام ابوحنیفہ کی پیش کردہ دلیل کہنا یقیناً علمی خیانت ہے۔اسی طرح "المنتقی" امام مالک کی نہیں بلکہ ابوالولید باجی کی تصنیف ہے۔اُن کے قول کو امام مالک کا قول کہنا بھی قطعاً بے بنیاد اور خلاف واقع ہے پھر یہ کہ ان دونوں کتابوں کی عبارتوں سے مرد و عورت کی دیت کے برابر ہونے کا جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے قطعاً غلط اور نا قابل التفات ہے۔"الاکلیل" اور "المنتقی" دونوں کی زیر نظر عبارات کا تعلق مرد و عورت کی دیت سے نہیں بلکہ "الاکلیل" کی عبارت مومن و کافر کی دیت کی مساوات کے بارے میں ہے اور "المنتقی" کی عبارت تغلیظ دیت کی نفی سے متعلق ہے جنہیں کھینچ تان کر مرد و عورت کی دیت سے متعلق کیا جا رہا ہے۔

سیوطی کے استنباط کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ مومن و کافر کے قتل خطاء کی سزائیں کفارہ اور دیت دونوں کا ذکر آیت کریمہ میں وارد ہے۔ جب کافر قتل کی سزا میں کفارہ کم نہیں ہوا تو اس کی دیت کی مقدار میں کس طرح کمی ہوسکتی ہے۔ جب مومن و کافر کا کفارہ یکساں ہے تو دونوں کی دیت بھی یکساں ہوگی اور ابوالولید باجی کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ حرم میں قتل واقع ہونے کی وجہ سے جب کفارے کی مقدار میں زیادتی نہیں ہوئی تو حرم کی وجہ سے دیت کی مقدار کیوں کر بڑھائی جاسکتی ہے یعنی حرم کی وجہ سے کفارے کی مقدار کا زیادہ نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ حرم کے لحاظ سے دیت کی مقدار میں بھی زیادتی نہ کی جائے گی۔ادنیٰ سمجھ رکھنے والا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ کمی اور بیشی دونوں امور اضافیہ سے ہیں۔ جب تک کسی چیز کی مقدار معین اور معلوم نہ ہو اس میں کمی بیشی متصور نہیں۔قتل خطا کے کفارے کی مقدار کا معین اور معلوم ہونا آیت کریمہ سے واضح ہے لیکن دیت کی مقدار پورے قرآن مجید میں کہیں نہیں۔ایسی صورت میں دیت کی مقدار معین کا علم لوگوں کے عرف و عادت اور تعامل کے ذریعے ہوگا یا بیان شارع سے اسلام سے پہلے عرف و عادت اور

لوگوں کے تعامل میں مرد کی دیت سو اونٹ اور عورت کی دیت اس کا نصف مقرر تھی۔ جس کے ثبوت میں ہم اس سے پہلے "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ص۵۹۳ ج۵" کے حوالے سے لکھ چکے ہیں "وَتَكُوْنُ دِيَةُ الْمَرْاَةِ نِصْفَ دِيَةِ الرَّجُلِ" عورت کی دیت، مرد کی نصف دیت کے برابر ہوتی تھی۔" جسے اسلام نے بھی برقرار رکھا۔ جیسا کہ احادیث وآثار اور اجماع امت کے حوالے سے تفصیلاً گزر چکا ہے اور یہی بیان شارع ہے۔ لوگوں کے عرف و عادت اور بیان شارع، دونوں کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ مرد کی دیت کی معلوم و معین مقدار سو اونٹ تھی اور عورت کی دیت کی معلوم و معین مقدار پچاس اونٹ تھی۔ لہٰذا امام سیوطی کے استنباط مذکور کا خلاصہ یہ نکلا کہ جب مومن و کافر دونوں کے قتل کا کفارہ برابر ہے تو ان کی دیت بھی برابر ہوگی۔ کافر کی دیت مومن کے برابر اور کافرہ کی دیت مومنہ کی دیت کے مساوی رہے گی یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ کافر کی دیت پچاس اونٹ ہوجائے اور کافرہ کی دیت پچیس اونٹ رہ جائے۔ ہمارے اس بیان سے ابوالولید باجی کے قول کا مفہوم بھی بخوبی واضح ہوگیا۔ وہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیت کا وجوب محض فعل قتل سے متعلق ہے حرم میں ہو یا غیر حرم میں۔ حرم میں قتل کرنے سے جب کفارہ نہیں بڑھتا تو دیت کیسے بڑھ سکتی ہے یعنی فعل قتل اگر حرم میں بھی واقع ہوجائے تو دیت وہی رہے گی جو لوگوں کے عرف و عادت اور بیان شارع کی روشنی میں معلوم و معین ہے۔ مرد کی دیت اپنی مقدار معین (سو اونٹ) سے نہ بڑھے گی۔ اسی طرح عورت کی دیت بھی اپنی مقدار معین (پچاس اونٹ) سے زیادہ نہ ہوگی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ عورت کے قتل کا کفارہ بھی وہی ہے جو مرد کے قتل کا کفارہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ کفارے کی مقدار تو وہی رہے اور دیت کی مقدار سو اونٹ سے کم ہوکر پچاس اونٹ رہ جائے قطعاً غلط ہے۔ عورت کی مقدار دیت جو عرفاً و شرعاً معلوم و متعین ہے وہ سو اونٹ نہیں بلکہ پچاس اونٹ ہی ہے۔ جس میں کمی بیشی واقع نہیں ہوئی۔

یہ صحیح ہے کہ سورۂ نساء کی آیت "وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً" کا لفظ "مومن" وجوب کفارہ اور وجوب دیت کے اعتبار سے تغلیباً مومنہ کو بھی شامل ہے۔ دونوں کے قتل خطا میں کفارہ بھی واجب ہے اور دیت بھی لیکن ظاہر ہے کہ لفظ "مومن" خاص النوع ہے صرف مرد کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ وہ اپنے وضعی اور حقیقی معنی کے اعتبار سے عورت کو شامل نہیں۔ اسی طرح "وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ ۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ" میں لفظ "کان" بھی مذکر کا صیغہ ہے جس سے مراد کافر ہے اور وہ اپنے وضعی اور حقیقی معنی کے اعتبار سے کافرہ کو شامل نہیں لیکن وجوب کفارہ اور وجوب دیت کے اعتبار سے وہ کافرہ عورت کو اسی طرح شامل ہے جس طرح لفظ مومن مومنہ کو۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمان مرد و عورت کے لئے اس آیت میں قتل خطا کی سزا کے طور پر دیت اور کفارے کا ذکر بھی اسی طرح اکٹھا ہے جس طرح مسلم اور ذمی کے لئے تھا لیکن یہ صحیح نہیں کہ ان کی مقدار دیت کی برابری کفارے کی بناء پر تسلیم کی گئی ہے بلکہ ان کی دیت کی مقدار معین میں کمی بیشی کا نہ ہونا کفارے میں کمی بیشی نہ ہونے کی بنا پر تسلیم کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس دلیل کی رو سے یہ تسلیم کرنا ضروری ہوگیا کہ مرد و عورت کی دیت کی مقدارِ معین علی الترتیب سو اور پچاس اونٹ میں اس لئے کمی بیشی نہیں ہوسکتی کہ دونوں کے قتل خطا کے کفارے کی مقدار میں کمی بیشی ناممکن ہے۔

قائلین مساوات کا ائمہ ھدیٰ پر الزام

قائلین مساوات نے امام محمد بن حسن شیبانی اور امام ابوبکر جصاص جیسے ائمہ ہدیٰ پر بھی یہ الزام عائد کیا کہ انہوں نے سورۂ نساء کی اسی آیت "وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً" سے استدلال کرتے ہوئے ذمی کافر کی دیت کو مومن کی دیت کے برابر قرار دیا لیکن مسلمان عورت کی دیت کو نصف ہی رکھا اور اس طرح اسے ایمان سے بھی خارج کر دیا۔

میں عرض کروں گا کہ آئمہ دین کے حق میں یہ طعن ہرگز قابل التفات نہیں۔ مومن اور ذمی کافر کی دیت کے مساوی ہونے پر اس آیت کریمہ سے استدلال بالکل صحیح ہے لیکن مرد عورت کی دیت کا مساوی ہونا اس آیت سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ امام محمد اور امام ابوبکر جصاص کا یہ استدلال چار وجوہ پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ لفظ مومن مذکر کا صیغہ ہے جو مومن مرد کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ مومنہ عورت کو اپنی وضع کے اعتبار سے وہ شامل نہیں۔ دوسرا یہ کہ لفظ دیت کا اطلاق سو اونٹ پر ہوتا ہے جو مرد کی کامل دیت ہے۔ تیسرا یہ کہ اس آیت میں (معاہد (ذمی)) کے لئے لفظ کان وارد ہے۔ وہ بھی مذکر کا صیغہ ہے۔ اپنی اصل وضع کے اعتبار سے عورت کو شامل نہیں۔ چوتھا یہ کہ "دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ" کے الفاظ میں مومن اور اہل میثاق (ذمی کافر) دونوں کے لئے یکساں وارد ہوئے ہیں جو مرد کے اعتبار سے سو اونٹ ہی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ جس طرح مومن مرد کی دیت سو اونٹ ہے اسی طرح ذمی کافر مرد کی دیت بھی سو اونٹ ہے۔ (ملخصاً از احکام القرآن للامام ابی بکر الجصاص ص ۲۹۰، کتاب الحجۃ للامام محمد بن حسن الشیبانی ص ۳۵، ج ۴)

خلاصہ یہ کہ مومن اور لفظ "کان" دونوں مذکر کے صیغے ہیں۔ ان کا مصداق وضعی اور حقیقی معنی کے اعتبار سے صرف مقتول مرد ہے۔ مقتولہ عورت نہیں۔ لہٰذا لفظ دیت باعتبار صیغۂ مذکر دیت کاملہ کے معنی میں ہے۔ پھر یہ کہ اہل میثاق کے لئے بھی "دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ" کے الفاظ وارد ہیں۔ لہٰذا مومن مرد اور ذمی کافر کی دیت کا مساوی ہونا واضح طور پر ثابت ہو گیا۔

یہ تفصیل اس اختلافی مسئلہ سے متعلق تھی کہ احناف کے نزدیک مسلمان اور ذمی کافر کی دیت برابر ہے اور شوافع کے نزدیک ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر نہیں لیکن مرد عورت کی دیت میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں وہ دور جاہلیت میں بھی متعارف تھی اس وقت دستور یہی تھا کہ مرد کی دیت پوری (سو اونٹ) اور عورت کی دیت اس کا نصف (پچاس اونٹ) ہوتی تھی۔ پھر اسلام نے قصاص و دیت کے معاملے میں خلاف دستور ہر قسم کے ظلم و تعدی کو مٹا کر اہل دستور کے مطابق مرد و عورت کی مقدار دیت علی الترتیب وہی سو اونٹ اور پچاس اونٹ برقرار رکھی جس پر ہم اس سے پہلے تفصیلاً مضبوط دلائل قائم کر چکے ہیں۔ رہا یہ امر کہ آیت کریمہ "وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً" میں مومنا کے ساتھ "مومنہ" کو بھی ہم نے شامل کر لیا ہے تو مخفی نہ رہے کہ یہ شمول صیغہ کے اعتبار سے نہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ لفظ مومن مذکر کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس کے وضعی حقیقی معنی "ایمان والے مرد" کے سوا کچھ نہیں۔ اگر مذکر کا صیغہ اپنی وضع کے اعتبار سے مؤنث کو بھی شامل ہو تو قرآن مجید کے حسب ذیل تمام استعمالات معاذ اللہ غلط قرار پائیں گے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچ بولنے والے مرد

اور سچ بولنے والی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔(احزاب)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کے لئے مشترک اوصاف حسنہ اور مشترک اجر وثواب کا حکم بیان فرمایا ہے۔ مگر اس کے باوجود مذکر کے صیغے میں مؤنث شامل نہیں۔ نہ مؤنث کے صیغے میں مذکر شامل ہیں۔ قرآن کریم میں ہر جگہ اگر مذکر کے صیغوں میں عورتیں شامل ہوتیں تو "اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا" اور "اَلۡمُؤۡمِنُوۡنَ" کے عموم میں بلا تخصیص ہر جگہ عورتیں شامل رہتیں مگر ایسے نہیں بلکہ اس کے برعکس بکثرت آیات قرآنیہ ایسی ہیں جہاں "اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا" اور "اَلۡمُؤۡمِنُوۡنَ" میں مردوں کے ساتھ عورتیں قطعاً شامل نہیں مثلاً

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡذَنَ لَكُمۡ اِلٰی طَعَامٍ (الاحزاب آیت ۵۳)

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو مگر اسی وقت جب تمہیں کھانے کے لئے آنے کی اجازت دی جائے۔

یہاں اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا میں عورتیں شامل نہیں نیز فرمایا

وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ (آل عمران آیت ۱۲۱)

اور صبح کے وقت آپ اپنے اہل کے پاس سے تشریف لائے اور ایمان والوں کو مورچوں پر بٹھا رہے تھے۔

یہاں بھی "المؤمنین" سے صرف مرد مراد ہیں ایسی صورت میں یہ کہنا کہ آیت کریمہ "مَنۡ قَتَلَ مُؤۡمِنًا" میں لفظ مؤمن سے عورت کو خاص کرنا اسے ایمان سے خارج کر دینا ہے لاعلمی پر مبنی ہے۔ لفظ مؤمن کے صیغے میں عورت شامل ہی نہیں تو اسے خاص کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ "وَمَنۡ قَتَلَ مُؤۡمِنًا خَطَـًٔا" میں لفظ مؤمن کے وضعی اور حقیقی معنی کے اعتبار سے ہم نے مومنہ کو مومن کے ساتھ شامل نہیں کیا بلکہ بطور مجاز تغلیباً اور ضمناً صرف اس بناء پر ہم نے مومنہ کو مومن کے ساتھ شامل مانا ہے کہ نفس وجوب دیت اور کفارہ کا حکم دونوں کے لئے یکساں ہے اور وصف ایمان دونوں میں مشترک ہے۔ اس لئے اس لحاظ سے تغلیباً وہ مومنہ کو بھی شامل ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں مثلاً آیت کریمہ "اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ" میں لفظ مؤمنون ضمناً مؤمنات کو بھی شامل ہے۔ علامہ خازن نے "وَارۡكَعِیۡ مَعَ الرّٰكِعِیۡنَ" پر کلام کرتے ہوئے فرمایا

وانما قال ارکعی مع الراکعین ولم یقل مع الراکعات لان لفظ الراکعین اعم فیدخل فیه الرجال و النساء (تفسیر خازن ص ۲۲۸، ج ۱)

حدیث نبوی: اَلۡمُسۡلِمُ مَنۡ سَلِمَ الۡمُسۡلِمُوۡنَ مِنۡ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ وَالۡمُهَاجِرُ مَنۡ هَجَرَ مَا نَهَی اللّٰهُ عَنۡهُ (صحیح بخاری ص ۶ ج ۱)

المسلم، المسلمون، المهاجر کے الفاظ تغلیباً مسلمہ، مسلمات اور مہاجرہ کو بھی شامل ہیں بنا بریں اگر یہ کہہ دیا جائے کہ قتل خطا کی آیت میں اسی لحاظ سے لفظ "مؤمن" تغلیباً "مؤمنہ" کو بھی شامل ہے اور قتل خطاء کی صورت میں مومن اور مومنہ دونوں کی دیت کا وجوب اس آیت سے ثابت ہے اور وجوب کفارہ اور وجوب دیۃ کے حکم میں مومنہ اور مومن دونوں شامل ہیں تو یہ کسی دلیل شرعی کے خلاف نہ ہوگا۔

اس مقام پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ لفظ "مؤمن" خاص النوع ہے۔ اسے مومنہ کے لئے عام تسلیم کرنا صحیح نہیں کیوں کہ عموم و خصوص باہم متقابلین ہونے کی وجہ سے جمع نہیں ہو سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خصوص باعتبار نوع کے ہے اور عموم وصف عام اور افراد کے لحاظ سے لہٰذا دونوں کو جمع ہونے سے کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔

یہاں ایک شبہ یہ بھی وارد کیا جاتا ہے کہ لفظ مومن نکرہ حیز اثبات میں ہے اور حیز اثبات میں نکرہ ہمیشہ خاص ہوتا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ حیز اثبات میں نکرہ کا ہمیشہ خاص ہونا ہرگز صحیح نہیں۔ بلکہ حسب اقتضاء مقام وہ عام بھی ہوسکتا ہے جیسے "تمرۃ خیر من جرادۃ" اور قرآن مجید میں ہے "عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ" اور "عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ" ان سب مثالوں میں نکرہ حیز اثبات میں واقع ہونے کے باوجود عام ہے بلکہ وصف عام کے ساتھ تو نکرہ اکثر عام ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو (التوضیح علی التنقیح ص ۲۵۰، ج ۱) لہٰذا لفظ مومن خاص النوع ہونے کے باوجود مومنہ کو شامل ہوسکتا ہے۔ مگر یہ شمول صرف وجوب کفارہ اور وجوب دیت میں ہے۔ مقدار دیت میں نہیں یعنی جس طرح مرد کے قتل خطاء میں دیت اور کفارہ واجب ہیں اسی طرح بلا تخصیص عورت کے قتل خطاء میں بھی یقیناً دیت اور کفارہ واجب ہیں۔ یہ بات علیحدہ ہے کہ مقدار دیت دونوں کی ایک دوسرے سے مختلف ہے جس کی تعیین قرآن مجید میں کہیں وارد نہیں ہوئی۔ اس لئے مقدار دیت بنسبت کتاب اللہ مجمل ہے۔ اس کا بیان احادیث و آثار اور اجماع امت میں وارد ہے اور لوگوں کے عرف و عادت یا بیان شارع سے اس کی تعیین ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم بار بار اس پر تنبیہ کر چکے ہیں۔

آیت کریمہ "مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا" میں لفظ مومن مذکر کا صیغہ اس لئے وارد ہوا کہ فعل قتل ہمیشہ سے اکثر و بیشتر مردوں کے آپس میں واقع ہوتا رہا ہے۔ عموماً مرد ہی قاتل اور مرد ہی مقتول ہوتے ہیں۔ عورت کسی کو قتل کر دے یا کوئی شخص عورت کو قتل کر دے نسبتاً بہت کم ایسا ہوتا ہے۔ قانون کی زبان میں بھی "قاتلہ و مقتولہ" کی بجائے (بصیغہ مذکر) قاتل و مقتول ہی کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ فی الجملہ عورت بھی اپنی خصوصیت کے ساتھ ضمناً ان میں شامل ہوتی ہے لیکن اصالۃً قانون کا تعلق مرد ہی سے ہوتا ہے۔ اسی اصل کے مطابق "دیۃ النفس" اور "دیۃ المؤمن" میں "النفس" اور "المؤمن" سے مرد ہی مراد ہے عورت نہیں۔

امام ابوبکر جصاص نے اس مقام پر مومن کے معنی "رجل مؤمن" بیان فرمائے اور "النفس" کے معنی "نفس الحر" یعنی آزاد مرد بیان فرمائے۔ (دیکھئے تفسیر احکام القرآن ص ۲۹۰، ج ۲)

امام ابوبکر جصاص نے ذمی کی دیت پر کلام کرتے ہوئے آیت کریمہ میں لفظ دیت کو اس اعتبار سے ظاہر و مبین قرار دیا کہ نزول

اور سچ بولنے والی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔(احزاب)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کے لئے مشترک اوصاف حسنہ اور مشترک اجر وثواب کا حکم بیان فرمایا ہے۔ مگر اس کے باوجود مذکر کے صیغے میں مؤنث شامل نہیں۔ نہ مؤنث کے صیغے میں مذکر شامل ہیں۔ قرآن کریم میں ہر جگہ اگر مذکر کے صیغوں میں عورتیں شامل ہوتیں تو "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْ" اور "اَلْمُؤْمِنُوْنَ" کے عموم میں بلا تخصیص ہر جگہ عورتیں شامل رہتیں مگر ایسے نہیں بلکہ اس کے برعکس بکثرت آیات قرآنیہ ایسی ہیں جہاں "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْ" اور "اَلْمُؤْمِنُوْنَ" میں مردوں کے ساتھ عورتیں قطعاً شامل نہیں مثلاً

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ (الاحزاب آیت ۵۳)

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو مگر اسی وقت جب تمہیں کھانے کے لئے آنے کی اجازت دی جائے۔

یہاں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْ میں عورتیں شامل نہیں نیز فرمایا

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (آل عمران آیت ۱۲۱)

اور صبح کے وقت آپ اپنے اہل کے پاس سے تشریف لائے اور ایمان والوں کو مورچوں پر بٹھا رہے تھے۔

یہاں بھی "المؤمنین" سے صرف مرد مراد ہیں ایسی صورت میں یہ کہنا کہ آیت کریمہ "مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا" میں لفظ مؤمن سے عورت کو خاص کرنا اسے ایمان سے خارج کر دینا ہے لاعلمی پر مبنی ہے۔ لفظ مومن کے صیغے میں عورت شامل ہی نہیں تو اسے خاص کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ "وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً" میں لفظ مؤمن کے وضعی اور حقیقی معنی کے اعتبار سے ہم نے مومنہ کو مومن کے ساتھ شامل نہیں کیا بلکہ بطور مجاز تغلیباً اور ضمناً صرف اس بناء پر ہم نے مومنہ کو مومن کے ساتھ شامل مانا ہے کہ نفس وجوب دیت اور کفارہ کا حکم دونوں کے لئے یکساں ہے اور وصف ایمان دونوں میں مشترک ہے۔ اس لئے اس لحاظ سے تغلیباً وہ مومنہ کو بھی شامل ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں مثلاً آیت کریمہ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" میں لفظ مؤمنون ضمناً مؤمنات کو بھی شامل ہے۔ علامہ خازن نے "وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ" پر کلام کرتے ہوئے فرمایا

وانما قال ارکعی مع الراکعین ولم یقل مع الراکعات لان لفظ الراکعین اعم فیدخل فیه الرجال و النساء (تفسیر خازن ص ۲۲۸، ج ۱۰)

حدیث نبوی: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَانَهَى اللّٰهُ عَنْهُ (صحیح بخاری ص ٦ ج ۱)

المسلم، المسلمون، المهاجر کے الفاظ تغلیباً مسلمہ، مسلمات اورمہاجرہ کوبھی شامل ہیں بنابریں اگر یہ کہہ دیا جائے کہ قتل خطا کی آیت میں اسی لحاظ سے لفظ "مؤمن" تغلیباً "مؤمنہ" کوبھی شامل ہے اور قتل خطاء کی صورت میں مومن اور مومنہ دونوں کی دیت کا وجوب اس آیت سے ثابت ہے اور وجوب کفارہ اور وجوب دیۃ کے حکم میں مومنہ اور مومن دونوں شامل ہیں تو یہ کسی دلیل شرعی کے خلاف نہ ہوگا۔

اس مقام پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ لفظ "مؤمن" خاص النوع ہے۔اسے مومنہ کے لئے عام تسلیم کرنا صحیح نہیں کیوں کہ عموم و خصوص باہم متقابلین ہونے کی وجہ سے جمع نہیں ہوسکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خصوص باعتبار نوع کے ہے اور عموم وصف عام اور افراد کے لحاظ سے لہٰذا دونوں کو جمع ہونے سے کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔

یہاں ایک شبہ یہ بھی وارد کیا جاتا ہے کہ لفظ مومن نکرہ حیز اثبات میں ہے اور حیز اثبات میں نکرہ ہمیشہ خاص ہوتا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ حیز اثبات میں نکرہ کا ہمیشہ خاص ہونا ہرگز صحیح نہیں۔ بلکہ حسب اقتضاء مقام وہ عام بھی ہوسکتا ہے جیسے "تمرۃ خیر من جرادۃ" اور قرآن مجید میں ہے "عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ" اور "عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ" ان سب مثالوں میں نکرہ حیز اثبات میں واقع ہونے کے باوجود عام ہے بلکہ وصف عام کے ساتھ تو نکرہ اکثر عام ہوتا ہے۔ملاحظہ ہو (التوضیح علی التنقیح ص ۲۵۰،ج۱) لہٰذا لفظ مومن خاص النوع ہونے کے باوجود مومنہ کو شامل ہوسکتا ہے۔مگر یہ شمول صرف وجوب کفارہ اور وجوب دیت میں ہے۔مقدار دیت میں نہیں یعنی جس طرح مرد کے قتل خطاء میں دیت اور کفارہ واجب ہیں اسی طرح بلا تخصیص عورت کے قتل خطاء میں بھی یقیناً دیت اور کفارہ واجب ہیں۔یہ بات علیحدہ ہے کہ مقدار دیت دونوں کی ایک دوسرے سے مختلف ہے جس کی تعیین قرآن مجید میں کہیں وارد نہیں ہوئی۔اس لئے مقدار دیت بنسبت کتاب اللہ مجمل ہے۔اس کا بیان احادیث وآثار اور اجماع امت میں وارد ہے اور لوگوں کے عرف وعادت یا بیان شارع سے اس کی تعیین ہوتی ہے۔جیسا کہ ہم بار بار اس پر تنبیہ کرچکے ہیں۔

آیت کریمہ "مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا" میں لفظ مومن مذکر کا صیغہ اس لئے وارد ہوا کہ فعل قتل ہمیشہ سے اکثر وبیشتر مردوں کے آپس میں واقع ہوتا رہا ہے۔عموماً مرد ہی قاتل اور مرد ہی مقتول ہوتے ہیں۔عورت کسی کو قتل کردے یا کوئی شخص عورت کو قتل کردے نسبتاً بہت کم ایسا ہوتا ہے۔قانون کی زبان میں بھی "قاتلہ ومقتولہ" کی بجائے (بصیغہ مذکر) قاتل ومقتول ہی کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔فی الجملہ عورت بھی اپنی خصوصیت کے ساتھ ضمناً ان میں شامل ہوتی ہے لیکن اصالۃً قانون کا تعلق مرد ہی سے ہوتا ہے۔اسی اصل کے مطابق "دیۃ النفس" اور "دیۃ المؤمن" میں "النفس" اور "المؤمن" سے مرد ہی مراد ہے عورت نہیں۔

امام ابوبکر جصاص نے اس مقام پر مومن کے معنی "رجل مؤمن" بیان فرمائے اور "النفس" کے معنی "نفس الحر" یعنی آزاد مرد بیان فرمائے۔(دیکھئے تفسیر احکام القرآن ص ۲۹۰،ج۲)

امام ابوبکر جصاص نے ذمی کی دیت پر کلام کرتے ہوئے آیت کریمہ میں لفظ دیت کو اس اعتبار سے ظاہر ومبین قرار دیا کہ نزول

آیت سے پہلے لوگوں کے عرف و عادت میں اسکی مقدار سب لوگوں کے نزدیک معلوم اور معین تھی لیکن اس اعتبار سے قرآن مجید میں مقدار دیت کا ذکر کہیں وارد نہیں ہوا۔ اسے مبہم اور مجمل کہا اور رسول کریم ﷺ کے فعل مبارک کو اسکا بیان قرار دیا۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔

وایضا لما لم یکن مقدار الدیة مبینا فی الکتاب کان فعل النبی ﷺ فی ذلک واردا للبیان (احکام القرآن للجصاص ص ۲۹۱، ج ۲)

سابقاً تفسیر قرطبی اور مظہری کے حوالے سے بھی ہم نقل کر چکے ہیں کہ امام قرطبی نے بھی آیت قرآنی میں لفظ دیت کو بیان مقدار میں مبہم و مجمل قرار دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ

ولم یعین اللہ فی کتابه مایعطی فی الدیة (احکام القرآن للقرطبی، ص ۳۱۵، جزء ۵)

نیز اسی آیت کے تحت تفسیر مظہری میں ہے۔

وهی مجملة فی المقدار ومن یجب علیه بینه النبی ﷺ

یعنی لفظ دیت بیان مقدار میں مجمل ہے اور اس بارے میں بھی کہ وہ کس پر واجب ہے یہ دونوں باتیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائیں۔ (تفسیر مظہری ص ۱۸۵، ج ۱)

ایسی صورت میں ہمارا یہ کہنا بلاشبہ صحیح ہوگا کہ عورت کی نصف دیت کی احادیث و روایات جو اصول محدثین کے مطابق یقیناً صحیح و ثابت اور تلقی بالقبول کی بناء پر حجت شرعیہ ہیں اور اجماع امت بھی ان کے مطابق ہے مومن کی مقدار دیت کے قرآنی اجمال کی تفسیر کرتی ہیں جس کے بعد کوئی ابہام باقی نہیں رہتا اور بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ عورت کی نصف دیت کا حکم سورۂ نساء کی آیت مذکورہ بالا سے ثابت ہے اور یہ کہ امام محمد بن حسن شیبانی و دیگر ائمہ ہدیٰ پر جو طعن کیا گیا ہے وہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔

حیرت ہے کہ ان قائلین مساوات نے اجماع امت کو یہ کہہ کر پس پشت ڈال دیا کہ بیسوں ایسے اجماع ہیں جن کے خلاف ائمہ فقہا کے اقوال پائے جاتے ہیں لیکن ہمارے اس پیش کردہ اجماع کے خلاف آج تک کسی فقیہ یا امام کا کوئی قول یہ لوگ پیش نہ کر سکے۔ نہ انشاء اللہ قیامت تک پیش کر سکیں گے۔

انتہائی تگ و دو کے بعد صرف ابوبکر اصم اور ابن علیہ کا نام یہ لوگ پیش کر سکے ہیں۔ ابوبکر اصم کے بارے میں ہم اس سے پہلے حافظ ابن حجر کا قول بحوالہ (لسان المیزان ص ۴۲۷، ج ۳) نقل کر چکے ہیں کہ وہ معتزلی تھا اور عبدالجبار ہمدانی معتزلی نے اپنے طبقات معتزلہ میں اس کا ذکر کیا اس طرح اس کے شاگرد ابن علیہ کے متعلق بھی بحوالہ تاریخ بغداد للخطیب ص ۲۰، ۲۳، ج ۶، لسان المیزان، ابن حجر ص ۳۲، ۳۵، ج ۱، میزان الاعتدال ص ۱۱، ج ۱، ہم سابقاً نقل کر چکے ہیں کہ وہ ضال و مضل اور جہمی خبیث تھا۔ اس کا قول اس قابل ہی نہیں کہ اسے خلاف سے تعبیر کیا جائے ثابت ہوا کہ ان دونوں کا خلاف ہمارے پیش کردہ اجماع کے لئے قطعاً مضر نہیں بلکہ یہ دونوں خرق اجماع کے مرتکب ہو کر خود مجرم ہیں۔

پھر انتہائی حیرت واستعجاب اس امر پر ہے کہ قائلین مساوات نے ہماری پیش کردہ احادیث وآثار وروایات کے مطابق اجماع امت ہونے کے باوجود انہیں مجروح، منقطع ضعیف اور مردود کہہ دیا۔ جب کہ محدثین نے اپنے اصول کے مطابق انہیں صحیح وثابت اور مقبول قرار دیا۔ جیسا کہ ہم اجلّہ محدثین کی عبارات واقوال بحوالہ تمہید ص ۳۰ جلد ا تذکرۃ الحفاظ ص ۸۱ ج ا، تہذیب التہذیب ص ٦٧ ج ۵ تدریب الراوی ص ۱۴۴ نقل کر چکے ہیں۔

لیکن قائلین مساوات اپنے دعویٰ کے ثبوت میں صحیح حدیث تو درکنار کوئی ایک ضعیف روایت بھی پیش نہ کر سکے۔ جس میں یہ مذکور ہو کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے۔ ان حضرات کے پاس نہ قرآن کی کوئی آیت ہے نہ حدیث۔

صرف ایک حدیث "المسلمون تتکافاء دماؤھم" سے مسلمان مرد وعورت کی دیت مساوی ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ یہاں بھی ان کے استدلال کی بنیاد صرف یہی ہے کہ انہوں نے مذکر کے صیغے میں مؤنث کو شامل کر کے عموم کا سہارا لیا جس کا اصولی طور پر غلط ہونا ہم بیان کر چکے ہیں۔

علاوہ ازیں اگر اس حدیث کی رو سے تمام مسلمانوں کے خون کو مطلقاً باہم متماثل مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ ہر مسلمان کے قتل خطاء کی سزا یکساں ہو۔ حالانکہ عامۃ المسلمین کے قتل خطاء کی سزا کفارہ "مع الدیۃ" ہے۔ جیسا کہ اسی سورۃ نساء کی آیت میں وارد ہے کہ "جس نے کسی مومن کو بطور خطاء قتل کیا تو (اس کی سزا) ایک مسلمان غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے اور دیت ہے جو اس کے اہل کے سپرد کی ہوئی ہے۔"

اس کے بعد اسی آیت میں متصلاً مذکور ہے کہ "اگر مقتول تمہاری دشمن قوم سے ہو اور وہ مومن ہو تو اس کے قتل خطاء کی سزا صرف کفارہ ہے یعنی ایک مسلمان غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے۔ دیت نہیں۔ مقام غور ہے کہ جب حدیث کی رو سے تمام مسلمانوں کے خون مطلقاً مساوی ہیں یعنی سب کے قتل خطاء کی سزا یکساں ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عامۃ المسلمین کا خون بہانے کی سزا کفارہ اور دیت دونوں کا مجموعہ ہو اور دشمن قوم سے تعلق رکھنے والے مؤمن کا خون بہانے کی سزا دیت کے بغیر محض کفارہ ہو۔ کیا سب مسلمانوں کے خون کے مطلقاً مساوی ہونے کا یہی مفہوم ہے۔ ایسی صورت میں یہ حدیث قرآن کی نص صریح کے خلاف قرار پائے گی جو کتاب اللہ کے مقابلے میں کسی طرح قابل عمل نہیں ہو سکتی۔ معلوم ہوا کہ یہ استدلال قطعاً غلط اور ناقابل قبول ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قتل ہونے والے مسلمان نوعیتِ قتل کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ مثلاً مقتول عمداً مقتول خطاء پھر وہ مقتول مسلمان اپنی خصوصیات کے اعتبار سے بھی مختلف اقسام پر مشتمل ہیں۔ کوئی مرد ہے کوئی عورت، کوئی عامۃ المسلمین میں سے ہے کوئی مسلمان ہونے کے باوجود دشمن قوم سے تعلق ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس قسم کے مقتول مسلمان ہوں ان کے خون آپس میں مماثل ہیں جو مقتول جس قسم سے متعلق ہوگا اس کے قتل کی سزا وہی ہوگی جو اس قسم کے دیگر افراد کے قتل کی سزا ہے۔ مثلاً مومن مرد وعورت کے قتل عمد کی سزا قصاص ہوگی اور قتلِ خطاء کی صورت

عورت کے قتل کی سزا بغیر دیت کے کفارہ ہوگی۔اس طرح اگر کوئی مسلمان مرد مقتول ہو جائے تو اس کے قتل کی سزا کفارہ کے ساتھ پوری دیت ہوگی اور اگر کوئی مسلمان عورت قتل کر دی جائے تو اس کے قتل کی سزا کفارہ کے ساتھ نصف دیت ہوگی۔

قائلین مساوات کا اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ایمان والے مردوں اور عورتوں کے خون آپس میں مماثل ہیں اور اس بناء پر دونوں کی دیت برابر ہے غلط ثابت ہوا۔ صحیح یہی ہے کہ ہر قسم کے مقتولین مسلمین کے خون ان کے آپس میں ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ یہی بات بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۲ شاہ ولی اللہ کی عبارت سے ہم نقل کر چکے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ''عورتوں کے خون ان کے آپس میں ایک دوسرے سے متماثل ہیں اسی لئے عورتوں کی دیت ایک ہے۔''

زیرِ نظر مضمون کا آخری حصہ پڑھ کر بے ساختہ زبان پر ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' جاری ہو جاتا ہے۔ حق کو باطل کے پردوں میں چھپانے کی پوری کوشش کی گئی ہے مگر یاد رہے کہ ''اَلْحَقُّ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی'' کوئی مانے یہ نہ مانے حق ہمیشہ غالب ہی رہے گا کسی کے مغلوب کرنے سے مغلوب نہ ہو سکے گا۔ دیکھئے اس مضمون کے آخر میں بڑی قوت کے ساتھ دعویٰ کیا گیا ہے کہ آیت قرآنی کا منشاء محض وجوب دیت میں مرد و عورت کو برابر کرنا ہرگز نہ تھا بلکہ مقصودِ قرآن ہی مقدار دیت میں برابری پیدا کرنا تھا۔ گویا مفسرین و محدثین اور علماء مجتہدین، تابعین و خلفاءِ راشدین میں سے کسی ایک نے بھی آیت قرآنی کے منشاء کو نہ سمجھا اور مقصود قرآن کو پانے سے ساری امت مسلمہ بے بہرہ رہی۔ آج صرف ایک شخص نے آیت قرآنی کے منشاء کو سمجھا اور مقصودِ قرآن کو پالیا۔ افسوس صد افسوس!

اس دعویٰ کی دلیل میں کہا گیا کہ وجہ یہ ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے دورِ جاہلیت کے عربوں میں دیت کا ایک باقاعدہ نظام موجود تھا جس کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت منکشف ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ دورِ جاہلیت کے عرب مرد و عورت دونوں میں سے کسی کے لئے بھی نفس وجوب دیت کے منکر نہ تھے بلکہ ان کے ہاں فرق ہی مقدار دیت کے اعتبار سے تھا۔ یعنی آیت کریمہ میں مرد و عوت کی دیت کے وجوب کا حکم اس لئے نہیں کہ ایام جاہلیت کے لوگ دونوں کے حق میں وجوب دیت کا حکم پہلے ہی مانتے تھے۔ ایسی صورت میں آیت قرآنی میں وجوب کا حکم نازل کیا جانا تحصیل حاصل کے مترادف ہوگا۔ یہاں اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ قرآن کا حکمِ وجوب، حکمِ شرعی ہے۔ دورِ جاہلیت میں شرع موجود ہی نہ تھی تو حکم شرعی کا وجود اس زمانے میں پایا جانا کیوں کر متصور ہو سکتا ہے۔ جاہلیت کے لوگ اپنے دستور کے مطابق مرد و عورت کے لئے دیت کو واجب سمجھتے ہوں گے مگر ایسے وجوب کو حکم شرعی نہیں کہا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ حکم نازل فرما کر مرد و عورت کی دیت کو شرعاً واجب قرار دے دیا۔ جسے ''تحصیل حاصل'' کہنا محض لا حاصل بلکہ اصطلاحات شرعیہ سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے پھر یہ کہ بدل نفس کی مقدار معلوم کا نام دیت ہے۔ اہل جاہلیت جن کے متعلق کہا گیا کہ وہ مرد و عورت دونوں کے قتل خطاء میں وجوب دیت کے قائل تھے۔ یقیناً وہ ہر ایک کی مقدار دیت کو ضرور جانتے ہوں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ ظلم و تعدی کے طور پر کسی سے زیادہ دیت وصول کر لیں یا ادا کرتے وقت کسی کو کم ادا کریں۔ یا کسی وقت دیت کی ایک مقدار مقرر کر لیں اور کسی دوسرے وقت اسے کم کر دیں یا بڑھا دیں۔ اس کے باوجود آج تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ مرد و عورت کی مقدار

دیت ان کے دستور میں کسی وقت بھی مساوی رہی ہو۔ بلکہ عورت کی دیت کا مرد کی دیت سے نصف ہونا ضرور ثابت ہے۔ جیسا کہ ہم بار بار متنبہ کر چکے ہیں۔ مختلف ادوار اور مختلف قبائل میں اور مختلف قسم کے اشخاص کے لئے جاہلیت کے زمانے میں مقدار کا کم وبیش ہونا کہیں ثابت نہیں۔ اس عدم مساوات کو ان کے ظلم وتعدی میں شامل نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کا دستور تھا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہوتی تھی۔ دیت میں ہر قسم کے ظلم وتعدی کو اسلام نے مٹا دیا۔ لیکن عورت کی دیت کا مرد کی دیت سے نصف ہونا ان کا دستور تھا جسے اسلام نے برقرار رکھا۔

اس کے بعد قائلین مساوات کا یہ کہنا کہ اسلام اور قرآن نے مرد وعورت کی ایک ہی مقدار دیت مقرر فرما دی۔ بہت بڑی جسارت اور اسلام وقرآن پر افتراء ہے کسی دلیل شرعی یا آیت قرآنی میں عورت کی مقدار دیت کا مرد کے مساوی ہونا مذکور نہیں۔ لہٰذا یہ قول پوری امت مسلمہ کی **تضلیل و تفسیق** کے مترادف ہے۔

قائلین مساوات کے یہ مضامین اس اعتبار سے اور بھی زیادہ اندوہناک ہیں کہ ان میں ائمہ مجتہدین مثلاً امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہم کے نام لیکر ان کی علمی واجتہادی عظمتوں کو قارئین کی نظروں میں حقیر اور بے وقعت کرنے کی سعی نامسعود کی جارہی ہے۔ کیا یہ حضرات ایسے ناسمجھ اور بے علم تھے کہ اپنے ہی اصول اور دلائل کے نتائج کو نہ سمجھ سکے حالانکہ قرآن وحدیث کے علوم اور مکمل دین ان ہی حضرات کے ذریعے ہمیں پہنچا۔ ان مقدسین کے بارے میں اس قسم کے مضامین شائع کرنا عامۃ المسلمین کو ان سے متنفر کرنا ہے اس دور پرفتن میں ائمہ ہدیٰ کے خلاف یہ محاذ آرائی بے شمار فتنوں کو جنم دے سکتی ہے۔ ہمارا نوجوان تعلیم یافتہ نسل کے اذہان اس سے متاثر ہوکر آئمہ ہدیٰ سے بدظن ہو سکتے ہیں۔ پھر ممکن ہے کہ وہ الحاد اور دہریت کی راہیں اختیار کرلیں۔ میں اپنے ملک کے معزز اخبارات سے دردمندانہ اپیل کروں گا کہ وہ ایسے مضامین شائع نہ کریں تا کہ مزید فتنوں کے دروازے نہ کھلیں اور ملت اسلامیہ انتشار سے محفوظ رہے۔

تکملہ

عورت کی دیت کو مرد کی دیت کے مساوی کہنے والے سورۂ "النساء" کی آیت قتل خطاء میں "مؤمنا" کے عموم میں مطلقاً ہر مومن اور ہر مومنہ کو شامل کرتے ہیں اور "دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ" میں مقدار دیت کو سو اونٹ میں منحصر کر کے مومنہ کی دیت سو اونٹ ثابت کرتے ہیں۔

اس کے برعکس ہمارا موقف یہ ہے کہ لفظ "مومن" مذکر کا صیغہ ہے۔ وہ اپنے وضعی اور حقیقی معنی کے اعتبار سے مومنہ کو شامل نہیں اور آیت کریمہ میں لفظ "مومن" کو علی الاطلاق مومن اور مومنہ کے ہر فرد کے لئے عام کرنا بھی درست نہیں مثلاً ہماری دشمن قوم سے (دارالحرب میں رہنے والا) مسلمان مرد ہو یا عورت اس لفظ مومن میں ہرگز شامل نہیں۔ البتہ اس آیت کریمہ میں لفظ "مومن" اصالۃً مومنین کے اور تبعاً وتغلیباً مومنات کے ان تمام افراد کو عام ہے جن کے لئے عصمتِ مؤثمہ کے ساتھ عصمت متقومہ بھی ثابت ہو یعنی اسلام کی وجہ سے جن کی جان کو تلف کرنا شرعاً ممنوع ہو اور ساتھ ہی دارالاسلام میں اقامت پذیر ہونے کی وجہ سے جن کی جانیں اور

اموال شرعاً محفوظ ہوں۔ تنہا عصمتِ مؤثمہ موجب کفارہ ہوجاتی ہے۔ موجب دیت نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ دشمن قوم سے کسی مسلمان کو بطور خطا قتل کردینا موجب کفارہ ہوسکتا ہے لیکن عصمت متقومہ یعنی دارالاسلام میں قیام پذیر ہونے کی وجہ سے (عام اس سے کہ مقیم مسلمان ہو یا کافر، آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، اور کافر بھی مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ کافر ذمی یا مستامن ہوکر دارالاسلام میں مقیم ہو۔ اگر ان میں سے کسی کو کوئی مسلمان خطاءً قتل کردے تو اس کے قتل میں کفارہ کے ساتھ دیت بھی ضرور واجب ہوگی۔ عصمت متقومہ ہی وجوب دیت کا سبب ہے۔

ہمارے اجلہ فقہاء اور مفسرین کرام نے تصریح کی ہے کہ شرطِ وجوبِ دیت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عصمت، یعنی معصوم الدم ہونا، دوسری تقوم یعنی دارالسلام میں اقامت پذیر ہونا۔ اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کی وجہ سے معصوم الدم ہو لیکن دارالسلام میں قیام نہیں رکھتا۔ بلکہ دارالحرب میں ہے تو اس کے قتلِ خطاء میں صرف کفارہ ہے، دیت نہیں۔ وجوبِ دیت کے لئے ضروری ہے کہ مقتول اسلام یا میثاق یا استیمان کی وجہ سے معصوم الدم بھی ہو اور دارالاسلام میں قیام پذیر بھی ہو اس میں مرد، عورت، آزاد، غلام، مومن، ذمی، مستامن (کافر) سب کا حکم یکساں ہے۔ بدائع صنائع میں ہے۔

شرط اصل الوجوب فنوعان احدهما العصمة وهو ان يكون المقتول معصوما

یعنی اصل وجوب دیت کی شرط دو قسم ہے: ایک عصمت، یعنی مقتول کا معصوم الدم ہونا، اس کے بعد آگے چل کر فرماتے ہیں:

الثانی التقوم وهو ان يكون المقتول متقوما

شرط کی دوسری قسم تقوم ہے، یعنی مقتول کا دارالاسلام میں مقیم ہونا، بدائع صنائع: ج ۷، ص ۲۵۲، زیلعی علی الکنز: ج ۲، ص ۱۲۸، تکملہ بحرالرائق ج ۸، ص ۳۲۹، مجمع الانہر ج ۲، ص ۶۳۹، تفسیر مظہری ج ۲، ص ۱۹۲)

اس مقام پر یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ وجوب دیت کی دلیل سورۃ النساء کی یہی ایک آیت ہے جس میں دو جگہ "دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ" کے الفاظ وارد ہیں۔ "بدائع صنائع" میں ہے۔

ان وجوب الدية لم يعرف الابنص الكتاب العزيز وهو قوله تبارك وتعالى: وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ

یعنی وجوبِ دیت کی معرفت ہمیں قرآن مجید کی صرف اس آیت سے حاصل ہوئی "وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً" (الآیہ)۔ ثابت ہوا کہ وجوب دیت کی دلیل یہی آیت ہے اور لفظ دیت میں دونوں جگہ اصالۃً یا تبعاً سب دیات شامل ہیں اور وہ احادیث جن میں مرد، عورت، غلام یا ذمی کی دیت کا ذکر آیا ہے ان سب کی بنیاد بھی یہی آیت کریمہ ہے اور وہ سب احادیث اسی قرآنی دیت کی مقدار کے اجمال کا بیان ہیں۔ اگرچہ لفظ "مومن" مذکر ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے، عورت اس صیغہ میں شامل نہیں مگر بدلیل "وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ" اور "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ" مرد اصل کا درجہ رکھتا ہے اور عورت تبعاً مرد کے حکم میں شامل اور اس کے ساتھ ملحق ہے،

جس طرح قتل کی وہ اقسام جو آیت میں مذکور نہیں اور ان میں دیت واجب ہوتی ہے، وجوب دیت میں وہ قتلِ خطاء کے ساتھ ملحق ہیں یا جیسے مستامن، وجوب دیت میں ذمی کے ساتھ ملحق ہے، قرآن مجید میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں، مثلاً "حَتّٰی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَۃِ" میں تثنیہ کی ضمیر کا مرجع صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام ہیں، کیوں کہ وہی دونوں اصل ہیں۔ اگرچہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بھی ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے۔ (قسطلانی شرح بخاری ج ۷، ص ۲۵۲)

لیکن ان کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ اصل کے ساتھ تابع کا ذکر ضروری نہیں ہوتا، وہ اپنی اصل کے حکم میں تبعاً شامل ہوتا ہے۔

اسی نوعیت سے اکثر احکامِ شرعیہ میں عورتوں کا مردوں کے حکم میں شامل ہونا قرآن مجید میں بکثرت وارد ہے۔ مثلاً

"وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ○ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا اور لَا تَرْفَعُوْآ اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ"

یہ سب مذکر کے صیغے ہیں اور اصالۃً مردوں کے لئے نازل ہوئے لیکن ان میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ تبعاً شامل ہیں۔

صراحۃً عورتوں کے ذکر کے ساتھ احکام نازل نہ ہونے کی بناء پر ہی حضرت ام عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا۔

مااریٰ کل شیٔ الاللرجال وما اریٰ للنساء یذکرن بشیٔ فنزلت، اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (الآیۃ)

یعنی میں ہر چیز میں مردوں ہی کا ذکر دیکھتی ہوں، عورتوں کا ذکر کسی شے میں نہیں پاتی۔

اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (الآیہ) (جامع ترمذی ج ۲، ص ۱۵۲، ۱۵۳)

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کے تحت اسی حدیث کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بروایت امام احمد ونسائی اور ابن جریر، نقل کیا (تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۴۸۷)

سورۂ احزاب کی آیت "اَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ" میں بھی یہی حکمت پائی جاتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ سورۂ احزاب ۵ھ میں نازل ہوئی۔ جب کہ نماز مردوں اور عورتوں پر بہت پہلے ہی فرض ہو چکی تھی مگر اقامتِ صلوٰۃ کا حکم سورۂ احزاب سے پہلے ہی مذکر ہی کے صیغوں کے ساتھ نازل ہوا تھا۔ عورتوں پر صلوٰۃ وزکوٰۃ کی فرضیت مردوں کے ساتھ تبعاً ثابت تھی۔

خلاصہ یہ کہ آیتِ قتلِ خطا میں لفظ "دیت" دونوں جگہ اصالۃً مرد ہی کے لئے ہے جیسا کہ امام محمد بن حسن شیبانی اور ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا اور اسی بنیاد پر انہوں نے ذمی کی دیت کو مسلمان کی دیت کے برابر ثابت کیا لیکن انہوں نے مقدار دیت کے اجمال کی مطلقاً نفی کر کے وجوب دیت میں کسی کے تبعاً شامل ہونے کا انکار نہیں فرمایا اور بالنسبۃ الی کتاب اللہ، مقدار میں دیت کو

مجمل اور مبہم ہی قرار دیا۔ ذمی کے مرد ہونے کی حیثیت سے عرف و عادت میں اس کی دیت سو اونٹ متعارف تھی مگر ذمی ہونے کی حیثیت سے متعارف نہ تھی۔امام ابوبکر جصاص نے ذمی کی دیت کا ابہام دور کرنے کے لئے وہ حدیثیں وارد کیں جن میں ذمی کی مقدار دیت کا بیان ہے اور بعض مفسرین، جیسے امام قرطبی نے ان احادیث کو وارد کیا، جن میں مرد کی مقدار دیت کا بیان ہے اور بعض دوسرے مفسرین ومحدثین نے مقدار دیت کے اجمال کے بیان میں ان احادیث کو وارد کیا، جن میں مومن مرد، عورت اور غلام سب کی مقدار دیت وارد ہے، جیسے صاحب تفسیر مظہری کہ انہوں نے مقدار دیت کو مجمل کہہ کر اس کے بیان میں مرد، عورت اور غلام سب کی مقدار دیت پر مشتمل احادیث کو وارد کر کے مقدار دیت کے اجمال وابہام کا بیان وارد فرمایا اور امام محمد بن نصر مروزی نے مقدار دیت کو مبہم اور مجمل کہہ کر مردوں اور عورتوں، دونوں کی مقدار دیت پر مشتمل احادیث کو اپنی کتاب ''السنۃ'' میں وارد فرما کر اس اجمال وابہام کا بیان فرمایا۔

کسی شخص کا یہ کہنا کہ لفظ ''دیت'' بیان مقدار میں بالکل مجمل نہیں، قطعاً غلط اور واقع کے خلاف ہے۔امام ابوبکر جصاص نے بھی ذمی کی دیت کو بحیثیت ذمی ہونے کے مبہم اور مجمل مانا ہے۔اس کے بیان میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں وارد کی ہیں اور دیت مومن کو بھی اجلہ مفسرین نے باعتبار مقدار مبہم اور مجمل کہا۔جس کے بیان میں انہوں نے مومن، مومنہ، عبد وحُر سے متعلق احادیث مقدار دیات کو وارد کیا۔جن سے ہر ایک کی مقدار دیت کا بیان ہمارے سامنے آ گیا۔جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں۔

دیت مومن میں مومنہ کی دیت کو شامل نہ ماننے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ امام ابوبکر جصاص نے لفظ ''دیت'' کو صرف مرد کی دیت کے لئے خاص کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ عورت کی دیت کو ''دیت'' نہیں کہا جاتا جب تک کہ اسے "نصف الدیۃ" یا "دیۃ المرأۃ" کی قید کے ساتھ مقید نہ کیا جائے۔چنانچہ مسلم و ذمی کی دیت کے مساوی ہونے کی بحث میں امام جصاص تحریر فرماتے ہیں۔

ان دیۃ المرأۃ لا یطلق علیھا اسم الدیۃ و انما یتناولھا الا اسم مقیدا ألاتری انہ یقال دیۃ المرأۃ نصف الدیۃ

یعنی عورت کی دیت پر "الدیۃ" کا لفظ نہیں بولا جاتا، لفظ "الدیۃ" عورت کی دیت کو اسی وقت شامل ہوگا جب کہ وہ "المرأۃ" کی قید سے مقید ہو۔ "دیۃ المرأۃ نصف الدیۃ" کا مقولہ سب لوگ جانتے ہیں۔(احکام القرآن ج ۲ ص ۲۹۰)

میں عرض کروں گا کہ اس میں شک نہیں کہ عورت کی دیت کے لئے "نصف الدیۃ" اور "دیۃ المرأۃ" کے الفاظ مقید ہو کر بھی اکثر مستعمل ہیں، لیکن امام جصاص کے اس قول کو قاعدہ کلیہ نہ سمجھا جائے بلکہ اسے اکثریہ قرار دیا جائے کیونکہ عورت کی دیت پر "الدیۃ" کا لفظ قید مذکور کے بغیر متعدد احادیث واستعمالات میں وارد ہے بلکہ خود امام جصاص کے قول میں بھی لفظ "الدیۃ" اس قید کے بغیر اسی احکام القرآن میں موجود ہے۔دیکھئے عورت کی دیت کے بارے میں وہ فرماتے ہیں۔

ان النبی ﷺ اوجب الدیۃ علی عاقلۃ القاتلۃ (ج ۲،ص ۲۸۰)

یہاں امام جصاص نے لفظ "الـــدیۃ" کو صرف عورت کی دیت کے لئے استعمال کیا ہے۔ بخاری شریف میں مرد و عورت دونوں کے لئے لفظ "الدیۃ" اس قید کے بغیر متعدد مقامات پر وارد ہے۔ دیکھئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے "کان فی بنی اسرائیل القصاص ولم تکن فیھم الدیۃ" اسی صفحہ پر دوسری جگہ ہے "فالعفو ان یقبل الدیۃ فی العمد" تیسری جگہ وارد ہے "فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَهُ عَذَابٌ اَلِیْمٌ o قتل بعد قبول الدیۃ" ج ۲، ص ٦٤٦ اور ج ۲ ص ١٠١٦ پر ہے "عن مجاھد عن ابن عباس قال کان فی بنی اسرائیل قصاص ولم تکن فیھم الدیۃ" اسی صفحہ پر دوسری جگہ ہے "قال ابن عباس فالعفو ان یقبل الدیۃ فی العمد" ان تمام مقامات پر لفظ "الدیۃ" مرد اور عورت دونوں کی دیت کے لئے ہے صرف عورت کی دیت کے لئے بھی قید مذکور کے بغیر لفظ "الـــدیۃ" متعدد احادیث میں وارد ہے۔ نسائی شریف میں حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷺ سے روایت ہے "فقضٰی رسول اللّٰہ ﷺ علی عصبۃ القاتلۃ بالدیۃ" ان کی ایک اور روایت میں ہے "فقضٰی رسول اللّٰہ ﷺ بالدیۃ علی عصبۃ القاتلۃ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے "فقضی علی العاقلۃ الدیۃ" (نسائی ج ۲ ص ٢١٦) ان سب روایات میں لفظ "الدیۃ" بلا قید صرف عورت کی دیت کے لئے وارد ہوا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ خود ابو بکر جصاص نے بھی ان روایات کو، جن میں بلا قید لفظ "الــدیۃ" عورت کی دیت کے لئے وارد ہے۔ اپنی تفسیر احکام القرآن میں نقل فرمایا (دیکھئے ج ۲، ص ٢٧٩، ٢٨٠) واقعہ یہ ہے کہ بعض قواعد بظاہر قواعد کلیہ نظر آتے ہیں لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلیہ نہیں۔ جیسے نور الانوار میں قاعدہ بیان کیا "النکرۃ اذا اعیدت معرفۃ کانت الثانیۃ عین الاولی و اذا اعیدت نکرۃ کانت الثانیۃ غیر الاولیٰ (ص ٧٩) حالانکہ اس قاعدے کی کلیت آیت کریمہ "وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ" (سورۂ زخرف: آیت ٨٤) سے منقوض ہے۔

امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی عظمتِ شان اور تبحر علمی حقیقتِ ثابتہ ہے۔ علماء نے انہیں فقہا کے چوتھے طبقہ (اصحاب تخریج) میں شمار کیا اور بعض اہل علم نے ان کے رسوخ فی العلم اور کمال فضل و شرف کی بناء پر انہیں طبقہ ثالثہ (مجتہدین فی المسائل) کا اہل سمجھا۔ اس کے باوجود ان کے ساتھ بعض محققین کے مناقشات مشہور و معروف ہیں۔ مثلاً علامہ جمال الدین محمود ابن احمد البخاری الحصیری الکبیر (مولود ٥٤٦ھ متوفی ٦٣٦ھ) اپنی شرح علی الجامع الکبیر للامام محمد بن حسن الشیبانی، مسمّٰی بہ "التقریر" میں ان مسائلِ کثیرہ میں امام جصاص کا مناقشہ کرتے ہیں۔ جن مسائل میں امام جصاص منفرد تھے۔ (مقدمہ الجامع الکبیر ص ٥) صرف یہی نہیں بلکہ علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا

قال الصغار کثیر اماجر بنا الطحاوی فلم نجدہ غالطا و کثیرا ماجر بنا الجصاص فوجد ناہ غالطا (رد المحتار علی الدر المختار ج ۲، ص ٢١٦)

لیکن اتنی بات سے ائمۂ دین کے فضل و شرف میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ دیکھئے امام ترمذی کیسے عظیم و جلیل امام المحدثین ہیں،

انہوں نے اپنی جامع ترمذی میں حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود ﷺ کے متعلق فرمایا "لم یسمع من ابیہ و لا یعرف اسمہ" (ص۴) علامہ بدرالدین عینی نے امام ترمذی کا رد کرتے ہوئے طبرانی اور حاکم کی روایات سے ابوعبیدہ کی سماع اُن کے والد حضرت عبداللہ بن مسعود سے ثابت کی اور امام ترمذی کے قول و لا یعرف اسمہ کے خلاف ان کا نام "عامر" بتایا اور بروایۃ ابی عبیدہ عن عبداللہ ابن مسعود، جامع ترمذی ہی سے وہ تین حدیثیں نقل کیں جنہیں امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔ امام عینی نے امام ترمذی پر رد کرتے ہوئے فرمایا "ومن شرط الحدیث الحسن ان یکون متصل الاسناد عند المحدثین" (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ص۲۴۷، ج ۱) غور فرمایئے، امام ترمذی حضرت عبداللہ بن مسعود سے ابوعبیدہ کے سماع کا انکار کر چکے ہیں، اس کے بعد وہ تین حدیثوں کو کس طرح "حسن" قرار دے رہے ہیں جب کہ حدیث "حسن" کے لئے متصل الاسناد ہونا محدثین کے نزدیک شرط ہے۔ اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں ان کے اوہام بھی محدثین کے نزدیک مشہور و معروف ہیں۔ مگر اس کے باوجود نہ امام ترمذی کا تسابل ان کی عظمتِ شان میں کسی قدح کا موجب ہے نہ امام بخاری کے اوہام ان کی جلالتِ شان میں کمی کا باعث ہیں۔ اسی طرح امام جصاص کی عظمتِ شان میں بھی کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

اس کے بعد میں عرض کروں گا کہ کتبِ فتاویٰ میں اس مال کو دیت کہا گیا ہے جو جان کا بدلہ ہو۔ دُرمختار میں ہے الدیۃ فی الشرع اسم للمال الذی ھو بدل النفس لا تسمیۃ للمفعول بالمصدر لانہ من المنقولات الشرعیۃ (الدر المختار شرح تنویر الابصار، کتاب الدیات بہامش شامی ج ۵، ص ۴۰۶) نیز یہ کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا بعض حصہ نہیں بلکہ فی نفسہا وہ دیتِ کاملہ ہے لیکن وہ دیت انثیٰ ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۵۸) جس طرح وجوبِ دیت کی دلیل سورۂ نساء کی آیت "وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاءً" میں "دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ" کے سوا کوئی اور نہیں، اسی طرح کفارۂ قتل کی دلیل بھی صرف یہی آیت کریمہ ہے "فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ" اب اگر لفظ "مؤمنا" میں "مؤمنہ" کو تبعاً بھی شامل نہ مانا جائے اور دیت و کفارہ کے حکم میں اس کے شمول کا قول نہ کیا جائے اور مقدار دیت کو مومن و مومنہ کے حق میں مجمل نہ مانا جائے، اور اس توجیہ کو "تفسیر بالرائ" قرار دیا جائے تو مومنہ کے قتلِ خطاء میں نہ کفارہ ثابت ہوگا اور نہ دیت، جب کہ فتاویٰ قاضیخان میں ہے رجل ضرب امرأۃ فی ادب فماتت، قال ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الدیۃ و الکفارۃ (قاضیخان بہامش عالمگیری ج ۳، ص ۴۴۴، طبع مصر) اس عبارت میں عورت کے قتلِ خطا میں وجوبِ کفارہ کی تصریح ہے اور ساتھ ہی عورت کی دیت کو بغیر قید کے لفظ "الدیۃ" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

بالفرض اگر دیت سے قطع نظر کر کے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ "مومن" میں "مومنہ" ہرگز شامل نہیں، تو ایسی صورت میں مؤمنہ وجوبِ کفارہ کے حکم میں کیسے شامل ہوگی اور اس کے قتلِ خطا میں کفارے کی دلیل کہاں سے آئے گی؟

ان دلائل کی روشنی میں لفظ "مومن" میں "مومنہ" کے تبعاً شمول کے بعد اگر لفظ "دیت" کو بیانِ مقدار میں مجمل تسلیم نہ کیا جائے تو عورت کی دیت بھی سو اونٹ قرار پائے گی جو احادیثِ نبویہ اور اجماعِ امت کی روشنی میں قطعاً باطل ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ

لفظ ''دیت'' قرآنِ مجید میں بیان مقدار میں مجمل ہے۔

معلوم ہوا کہ لفظ ''مومن'' میں ''مومنہ'' بھی شامل ہے اور آیت کریمہ میں فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ اور وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ'' کے جملے دونوں کے قتلِ خطاء میں وجوبِ کفارہ اور وجوبِ دیت کی دلیل ہیں، البتہ لفظ ''دیت'' بیانِ مقدار میں مجمل ہے، اس کا بیان احادیث واجماعِ اُمت کی صورت میں ہمارے سامنے آ گیا جس کے ذریعے مرد وعورت ہی کی نہیں بلکہ غلام کی مقدارِ دیت بھی ہمیں معلوم ہو گئی۔

''وکذالک وجوب الکفارۃ والدیۃ فی قتل الخنثی خطاء لا یثبت الابعد قول الشمول فی عموم ھذہ الایۃ واجمال لفظ الدیۃ فی المقدار، واللّٰہ تعالیٰ اعلم، وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد والہ وصحبہ اجمعین''